کتاب و سنت اور اسلافِ امت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ

اشرف الجرائد
حیدرآباد

Volume:17 Issue:7 July 2024

مدیر

مولانا محمد عبدالقوی

ادارہ اشرف العلوم ٹرسٹ حیدرآباد

www.iauth.in

اشرف الجرائد میں شامل تمام مضامین کی تمام جزئیات سے مدیر کا اتفاق ضروری نہیں

آئینۂ مضامین

اشرف الجرائد کی توسیع واشاعت میں حصہ لے کر اشاعتِ دین کا ثواب حاصل فرمائیں۔ ادارہ

درسِ قرآن



جن کی عظمت کے گن قرآن وحدیث نے گائے ہیں

از: مولانا محمد عبدالقادر فرید قاسمی*

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِیْمٌ ۝۳ (الحجرات)

ترجمہ: یہ وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے خوب جانچ کر تقویٰ کے لئے منتخب کرلیا ہے، اُن کو مغفرت بھی حاصل ہے اور زبردست اجر بھی۔

توضیح: اس کائنات میں بہت سی امتیں گزری ہیں لیکن اس امت کو ''خیر الامم'' کا لقب دیا گیا اور اس خیرِ امت میں بالاجماع خیر القرون کو یعنی حضرات صحابہ کرامؓ کو اشرف وافضل گردانا گیا ہے، اس مقام بلند کی اہم وجہ نبیؐ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت پر تاثیر ہے، اس جماعت کی عظمت کو سمجھنے کے لیے یہی کافی ہے کہ ان کو نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مصاحبت کا شرف حاصل ہوا، اس کیمیائی صحبت نے ان میں جو انقلاب پیدا کیا کسی علمی ذوق رکھنے والے سے مخفی نہیں ہے۔ خود باری تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر ان کی عظمت بیان کی ہے کہ وہ نہ صرف راہ یاب ہوئے بلکہ راہ بر بنے ''اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ -----، قُلْ هٰذِهٖ سَبِیْلِیْۤ اَدْعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ ؔ عَلٰى بَصِیْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب کے بارے میں فرمایا: ''اصحابی کالنجوم'' اس تشبیہ سے اشارہ ہے کہ ستاروں کا کام تزئین، راہ نمائی، دفع شیاطین ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس تشبیہ کے ذریعے صحابہ کرامؓ کی نہ صرف ذمہ داری کو بتلایا ہے بلکہ اس سے ان کی رفعت ومنزلت کو بھی آشکارا کردیا ہے، پھر آگے ارشاد فرمایا: ''جو ان کی اقتدا کرے گا وہ راہ یاب ہوگا''۔

صحابہ کرامؓ کی شان پیشوائی کو بیان کرتے ہوئے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مَنْ كَانَ مُتَأَسِّيًا فَلْيَتَأَسَّ بِأَصْحَابِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ، فَإِنَّهُمْ أَبَرُّ هٰذِهِ الْأُمَّةِ قُلُوْبًا وَأَعْمَقُهَا عِلْمًا

* ذمہ دار ادارہ حسیب المدارس، گھٹکیسر

وَأَقَلُّهَا تكلُّفًا وَأَقوَمُهَا هَدْيًا وَأَحسَنُهَا حَالًا، قَوْمٌ اخْتَارَهُمُ اللهُ بِصُحْبَةِ نَبِيِّهٖ وَإِقَامَةِ دِيْنِهٖ، فَاعْرِفُوْا لَهُ فَضْلَهُمْ وَاتَّبِعُوْا آثَارَهُمْ، فَإِنَّهُمْ كَانُوْا عَلَى الْهُدَى الْمُسْتَقِيمِ''۔ جو شخص اقتدا کرنا چاہتا ہے اس کو چاہیے کہ صحابہ کرامؓ کی اقتدا کرے کیوں کہ یہ حضرات ساری امت سے زیادہ اپنے قلوب کے اعتبار سے پاک، علم کے اعتبار سے گہرے، تکلف و بناوٹ سے دور، عادات کے اعتبار سے معتدل اور حالات کے اعتبار سے بہتر ہیں، یہ وہ قوم ہیں جن کو اللہ نے نبی کی صحبت اور دین کی اقامت کے لیے پسند فرمایا ہے تو تم ان کی قدر پہچانو اور ان کے آثار کا اتباع کرو کیوں کہ یہی لوگ مستقیم الطریق ہیں۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب کے بارے میں امت کو خبردار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''لا تسبوا اصحابی'' میرے صحابہؓ کو گالی مت دو اور ایک مقام پر اپنے غضب کا یوں اظہار فرمایا، ''إِذَا رَأَيْتُمُ الَّذِيْنَ يَسُبُّوْنَ أَصْحَابِيْ رضی اللہ عنہ فَقُوْلُوْا: لَعْنَةُ اللهِ عَلٰى شَرِّكُمْ''، جب تم کسی کو دیکھو کہ وہ صحابہ کرام کو گالیاں دے رہا ہے کہو تمھاری اس شرارت پر اللہ کی لعنت ہو۔

اور ایک مقام پر امت کو آگاہ بھی کر دیا، ''اللهَ اللهَ فِي أَصْحَابِي، لَا تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا مِنْ بَعْدِيْ، فَمَنْ أَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّيْ أَحَبَّهُمْ وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِيْ أَبْغَضَهُمْ''، دیکھو میرے صحابہؓ کے بارے میں اللہ سے ڈرنا میرے بعد انہیں بغض وعناد کا نشانہ نہ بنانا جو ان سے محبت کرے گا وہ میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کرے گا اور جو ان سے بغض رکھے گا تو مجھ سے بغض ہونے کی وجہ سے ان سے بغض رکھے گا ----یہ کتنے خوف کا مقام ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے محبت وعداوت کو اپنی ذات سے محبت وعداوت کا سبب قرار دیا ہے صحابہ کرامؓ کے لیے صحبت نبی کا انتخاب انتخاب خداوندی ہے کیوں کہ یہ وہ قلوب تھے جن کو آزمائشوں سے گزار کر'' حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ '' کا مژدہ ''وَ كَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ '' کے ذریعہ کفر وشرک حتیٰ کہ فسق و فجور سے بھی ان کا تنفر، ان کی معاشرت کو ''رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ '' دفاع اسلام کی خدمت کو ''اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ'' ان کی شان عبادت کو ''تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا'' ان کے خدا تعالیٰ کے فضل ورضوان کے حصول کی کاوشوں کو ''يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللهِ وَرِضْوَانًا'' کہہ کر ذکر کیا گیا ہے، غرض یہ کہ وہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تراشیدہ انمول ہیرے، بے شمار خصائص کے حامل بے مثال جماعت تھی۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان سے محبت کرنے، ان کے احسانات ماننے اور ان کا اتباع کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین



درسِ حدیث

لوگوں میں کون سب سے بہتر ہے؟

از: مولانا مفتی محمد احمد علی قاسمی*

عَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ رضی اللہ عنہ :اَنَّ رَجُلاً قَالَ: یَارَسُوْلَ اللہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! اَیُّ النَّاسِ خَیْرٌ؟ قَالَ:مَنْ طَالَ عُمُرُہٗ وَحَسُنَ عَمَلُہٗ، قَالَ:فَاَیُّ النَّاسِ شَرٌّ؟قَالَ:مَنْ طَالَ عُمُرُہٗ وَسَاءَعَمَلُہٗ۔

(رواہ احمد والدارمی مشکاۃ المصابیح: رقم الحدیث ۵۲۸۴)

ترجمہ: حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ! لوگوں میں کون سا شخص زیادہ بہتر ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس کی عمر دراز ہو اور اس کا عمل اچھا ہو، پھر اس شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ! لوگوں میں سب سے زیادہ برا شخص کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس کی عمر دراز ہو اور اس کا عمل برا ہو۔

تشریح: ہر مسلمان کا یہ اعتقاد و اذعان ہے کہ دنیا میں پیدا ہونے والا ہر فرد بشر ایک میعاد معین اور وقت مقررہ تک کے لیے ہی وجود پذیر ہوتا ہے، اور وہ اپنے اجل (اللہ کی طرف سے مقررہ وقت) سے ایک سیکنڈ قبل بھی فنا اور ہلاک ہوتا ہے نہ ایک سیکنڈ بعد جی سکتا ہے، لکل امۃ اجل اذاجاءاجلھم فلایستاخرون ساعۃ ولا یستقدمون، جب یہ بات طے ہے تو پھر ہر مسلمان کے لئے ہمہ وقت اس کا احساس اور ادراک رہنا ضروری ہے کہ گذرتے وقت کے ساتھ اپنی ''حیات مستعار'' سے دور اور ''اجل متعین'' سے قریب تر ہوتا جا رہا ہے۔ دنیاوی دستور کے مطابق اقوام عالم سال گزرنے اور نئے سال کے شروع ہونے پر جشن مناتے ہیں ،فرحت ومسرت کے شامیانے گاڑے جاتے ہیں ،رقص وسرود کی محفلیں سجتی ہیں ،شراب وکباب کے مزے لوٹے جاتے ہیں ،الغرض فحاشیت وعریانیت اور بدتہذیبی وبدکرداری کا ایک سیلاب بلاخیز بپا ہوتا ہے ،جس میں جوان ،بوڑھے ،مرد وعورت ہر طبقے کے افراد شریک ہوکر موج مستی کرنا اپنا حق سمجھتے ہیں ۔لیکن ایک مسلمان کا

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

نقطۂ نظر اس سلسلے میں بالکل مختلف اور جداگانہ نوعیت کا ہوتا ہے، سال گزرتا ہے تو یہ اس کے لیے فکر واہتمام کا موقع ہوتا ہے نہ کہ مبارک بادی اور تنعم وتعیش کا، اس لیے کہ ایک پتا شجر عمر سے لو اور گرا، لوگ کہتے ہیں مبارک ہو نیا سال تمھیں

اسلامی تقویم کے اعتبار سے ماہ ذی الحجہ پر سال کا اختتام اور ماہ محرم الحرام سے نئے سال کا افتتاح ہوتا ہے، محرم الحرام کا حرمت وعظمت والا مہینہ شروع ہونے کو ہے، ایسے وقت میں ہر مسلمان کے لیے اولین درجے میں جو چیز قابل فکر اور جو بات لائق احساس ہونا چاہیے وہ ہے ماضی کا احتساب اور مستقبل کے لیے لائحہ عمل، یعنی جو وقت گزر گیا ہے اس کے ایک ایک لمحے میں ہمارا حرکت وسکون اور قول وفعل محفوظ ہو چکا ہے، جس کے بارے میں اللہ کے یہاں مواخذہ اور حساب وکتاب ہونے والا ہے، اس لیے اس سلسلے میں ہمیں اپنا جائزہ اور محاسبہ کرنا چاہیے کہ اس گذرے ہوئے سال میں ہم اپنے ایمان ویقین میں مضبوطی اور پختگی کے اعتبار سے اور اعمال صالحہ میں مبادرت ومسابقت کے حوالے سے کس قدر کامیاب وبامراد رہے ہیں، یا خدانخواستہ ناکامی اور محرومی سے دوچار ہوئے ہیں، اگر پہلی بات ہے تو یہ مقام شکر ہے الحمد للہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ لنا، اور اگر دوسری بات ہے تو یہ سنگین حد تک مقام فکر ہے، اور اس کی تلافی کے لیے توبہ و استغفار اور حقوق وفرائض کی ادائیگی کا اہتمام کرنا پڑے گا، بندہ انابت ہت اور خشوع وخضوع کے سچے جذبات کے ساتھ رجوع الی اللہ ہوتا ہے تو مولا تعالیٰ اپنے پورے الطاف وعنایات کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں، اور بندہ رضائے الٰہی کے مقام سے فیضیاب ہو جاتا ہے، یہ تو ہوا ماضی کا احتساب، رہا مستقبل کے لیے لائحہ عمل تو اس سلسلے میں یہ غور کرنا ہے کہ آگے زندگی کتنی باقی ہے اللہ کو معلوم ہے، اس لیے آنے والے ایک ایک لمحہ حیات کو بسا غنیمت سمجھتے ہوئے عبادت وبندگی کے فرائض کی ادائیگی اور فکر عقبیٰ میں گزارنا چاہیے؛ ایسی ہی زندگی دراصل وہ زندگی ہے جس کو حیات طیبہ کہا گیا ہے، ایسی حیات اور اسی پر ممات انسان کو قابل رشک اور لائق صد افتخار بنا دیتا ہے، اور بندہ عند اللہ محبوبیت ومقبولیت کے اعلی مقام پر فائز ہو جاتا ہے، زیر نظر حدیث میں ایک صحابی کے سوال پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہی بات ارشاد فرمائی کہ جس کی عمر دراز ہو لیکن اعمال اچھے ہوں ایسا آدمی اللہ کے نزدیک سب سے بہتر ہے، اس لیے ہمیں اللہ کی نظر میں بہتر اور قابل قبول بننے کے لیے زندگی میں ہر وقت اپنے اعمال میں حسن وخوبی کی فکر کرتے رہنا چاہیے، اور گزرتے وقت کا ہر وقت احساس رکھنا چاہیے کہ وقت کا گزرنا ہمیں اپنی موت سے قریب کر رہا ہے، یہی بات آخرت میں جواب دہی کے احساس کی ہے، یہی احساس اعمال میں حسن وللّٰہیت پیدا کرتی ہے۔ اللہ ہمیں اپنے ہر عمل کو احسن عمل بنانے کی توفیق عطا فرمائے۔

ابتدائیہ

صحابہ رضؓ مثل انجم ہیں یہ فرمانِ رسول حق

از: مولانا سید خواجہ نصیر الدین قاسمی*

بنی نوعِ انسانی میں افضل واشرف، اعلیٰ وارفع جماعت انبیاء علیہم السلام کی جماعت ہے، اُن کی حیات ہائے مبارکہ انسانیت کے لئے اُسوہ وقدوہ ہیں، اُن کے قلوب مہبطِ وحی ہیں، وہ بندوں اور رب تبارک وتعالیٰ کے مابین مضبوط رابطہ ہیں، احکاماتِ شرعیہ وقوانینِ الٰہیہ کی تبلیغ وتشریح ان کا فرضِ منصبی ہے، انسانیت کو دنائت وضلالت کی قعرِ مذلت سے نکال کر عزت ورفعت کے اوجِ کمال پر پہونچانا اُن کی مساعی جلیلہ کا محور ہے، چناں چہ ہر پیغمبر اور رسول نے اپنے اپنے عہدِ نبوت ورسالت میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی عظیم ذمہ داریوں کو بہ حسن وخوبی انجام دیا۔ اس تقدس مآب جماعت پر انگشت نمائی، اُن کی ردائے عفت وعصمت پر دست درازی، اُن کے پاکیزہ کردار واخلاق پر دریدہ دہنی، بل کہ اُن کے تئیں ذہنی پراگندگی رکھنے والے عنداللہ ہمیشہ مطرود ومردود رہے ہیں، اس مبارک گروہ کی حفاظت وحمایت اور اُن کی خدمات وحیات پر اُٹھنے والے شبہات واتہامات کو رفع کرنا قدرت نے اپنے ذمہ لے رکھا ہے، بل کہ سرورِ عالم سیدنا ومحبوبنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحبت یافتہ وفیض یابندہ صحابہ کرام رضؓ پر نکتہ چینی کرنے کو بھی قانونِ فطرت نے موردِ عتاب ولعن بتایا ہے اُممِ سابقہ میں ایسے بدباطن ہوئے ہیں جنہوں نے تقدسِ رُسل کو پامال کیا اور بدترین انجام سے دوچار ہوئے، حق تعالیٰ نے امت مسلمہ کو ایسی سنگین غلطیوں سے باز رہنے کی تاکید کی لا تکونوا کالذین اذوا موسی۔ اس حقیقت سے چشم پوشی نہیں کی جاسکتی کہ جو جماعت عنداللہ وجیہ وبااعتماد ہوگی ان کی تکفیر وتفسیق اور استہزاء وتحقیر موجب عذاب الٰہی ہوگی، انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے بعد ایک اور جماعت ہے جسے حق تعالیٰ شانہ کے نزدیک سند اعتبار حاصل ہے، جن کے قلوب آفتاب نبوت کی ضیاپاش کرنوں سے منور ہیں جو ''صحابہ کرام'' کے

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

مبارک نام سے موسوم ہیں۔

صحابہ کرامؓ؛ سید الاولین والآخرین، امام الانبیاء والمتقین، قدوۃ العارفین والصالحین، خاتم النبیین و المرسلین سیدنا ومولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خون پسینے سے سینچا ہوا دبستانِ علم وعمل، گلستانِ ورع وتقویٰ، چمنستانِ اخلاص ووفا ہیں، اس کاروانِ حق، شہیدانِ عشق، حامیانِ اسلام، راہبانِ لیل وفارسانِ نہار کی عظمت ورفعت پر کتاب اللہ کی آیات، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث، صحابہ کرامؓ وتابعین عظامؒ کے آثار واخبار شاہد ہیں، وہ سب کے سب مقبولانِ بارگاہِ الٰہی، منظورانِ دربارِ نبوی، قابلِ تعظیم وتکریم، لائق تحسین وتقلید ہیں، اُن کی زندگیاں معیارِ حق وباطل ہیں، اُن کے اعمال وافکار معیار قبول ورد ہیں، اُن کے اوصاف واخلاق معیارِ فضل ونقص ہیں۔

کتاب وسنت میں صحابہ کرامؓ کے فضائل ومناقب کے ساتھ ساتھ ان کی شان میں ادنیٰ حرف زنی اور بے ادبی کو بھی ناقابل معافی جرم قرار دیا گیا، اُن کے حق میں زبان بندی کی تاکید کی گئی، منافقین نے اُنھیں بے وقوف، قابل استہزاء وتذلیل سمجھا اور اُن پر بے جا الزامات عائد کئے، تو جلالِ الٰہی نے اُن کی خبر لی، نیز اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ (خوب اچھی طرح سن لو! کہ یہی لوگ بے وقوف ہیں) اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِىْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ﴿۱۵﴾ (اللہ اُن سے مذاق (کا معاملہ) کرتا ہے اور اُنہیں ایسی ڈھیل دیتا ہے کہ وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہتے ہیں) (سورۂ بقرہ) وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا﴿۵۸﴾ (اور جو لوگ مومن مردوں اور عورتوں کو ان کے کسی جرم کے بغیر تکلیف پہونچاتے ہیں انہوں نے بہتان طرازی اور کھلے گناہ کا بوجھ اپنے اوپر لاد لیا ہے۔) (سورۂ احزاب) وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴿۸﴾ (حالاں کہ عزت کو اللہ ہی کو حاصل ہے اور اس کے رسول کو اور ایمان والوں کو، لیکن منافق لوگ نہیں جانتے) (سورۂ منافقون) جیسے ارشاداتِ الٰہیہ اُن کی تردید میں نازل ہوئے۔

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ مبارک سے ”لا تتخذوهم غرضا من بعدي“ (میرے صحابہؓ کو نشانۂ طعن مت بناؤ) ”لا تسبوا اصحابي“ (میرے صحابہؓ کو بُرا بھلا مت کہو) ”من اذاهم فقد اذاني ومن اذاني فقد اذى الله“ (جس نے صحابہؓ کو تکلیف دی اس نے مجھے تکلیف پہونچائی، اور جس نے مجھے اذیت دی اس نے اللہ کو تکلیف دی) جیسی وعیدوں کے ذریعہ صحابہؓ کے بارے میں امت کو سخت تنبیہ کی گئی ہے۔ انھی نصوص کی روشنی میں کبارِ علماء امت وائمہ دین نے گستاخانِ صحابہؓ کے بارے میں سخت موقف اختیار کیا ہے، چناں چہ

● حضرت ابراہیم بن سعید جوہریؒ نے حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالی عنہ سے دریافت کیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور عمر بن عبدالعزیزؒ میں کون افضل ہے تو انہوں نے فرمایا: ''ہم اصحاب محمد کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے افضل ہونا تو دور کی بات ہے''۔

● امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کسی شخص کے لیے جائز نہیں کہ ان کی کوئی برائی بیان کرے یا ان پر کسی عیب یا نقص کا الزام لگائے، جو شخص ایسا کرے اس کی تادیب واجب ہے۔

● امام ابوزرعہ رازیؒ کہتے ہیں: جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ کسی صحابی کی تنقیص کر رہا ہے تو سمجھ لو کہ وہ زندیق ہے۔

● قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اہل بیت، ازواج مطہرات اور صحابہ کرامؓ کو برا کہنا حرام ہے ایسا کرنے والا ملعون ہے۔

● امام شمس الدین الذہبیؒ فرماتے ہیں: کہ ''جس نے صحابہؓ پر طعن و تشنیع کی، یا ان کو بُرا کہا وہ دین سے نکل گیا اور ملت اسلامیہ سے خارج ہو گیا''۔

● حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں: ''ہائے تباہی! اس شخص کے لئے جو صحابہ کرامؓ سے بغض رکھے نیز سارے صحابہؓ یا اُن میں سے بعض صحابہؓ کو ہدفِ تنقید بنائے''۔۔۔۔۔۔آگے تحریر فرماتے ہیں:

ایسے لوگوں کو ایمان بالقرآن سے کیا واسطہ، جو ان لوگوں کو برا کہتے ہیں، جن سے اللہ نے راضی ہونے کا اعلان کر دیا ہے۔'' (ماخوذ از: صحابہؓ رسول اسلام کی نظر میں)

لعنت ہو اُن باطل قلوب پر جو بغض صحابہ سے متعفن ہو چکے ہیں، اِن مسموم زبانوں نے صحابہؓ پر تکفیر، تفسیق ارتداد، نفاق، ریاکار، دنیادار، حکمرانی کے طلبگار، خودغرض، بیانِ احکام میں مخالفِ شرع اور خودرائی پر عمل کے مرتکب، کمیونسٹ نظریے کے حامل، سبائیت کے ترجمان وغیرہ جیسے سنگین الزامات واتہامات لگائے، ان کی اس قلبی پراگندگی نے نفوسِ مطہرہ کو اس قدر مجروح و مخدوش کیا کہ عامۂ مسلمین بھی صحابہ کرامؓ کے بارے میں شش و پنج کا شکار بلکہ اُنہیں گمراہ، غلط کار اور سزاوارِ عتاب ماننے لگے ہیں۔ لعنۃ اللہ علی شرھم الف الف لعنۃ

ضرورت ہے کہ عام مسلمان اِن گم راہ، باطل تحریکوں، جماعتوں اور افراد سے دور رہیں، اُن کے شرانگیز میڈیائی بیانات سننے سے گریز کریں، ان کی زہر آلود تحریرات پڑھنے سے باز رہیں، اُن کے ملعون چینلوں سے اپنی بصارت وسماعت کو پاک رکھیں۔

ضرورت ہے کہ اپنے نسلوں کے دین وایمان کی پختگی کے لیے قلوب کو تقدسِ صحابہؓ، عظمتِ صحابہؓ، توقیرِ

صحابہؓ سے معمور کریں۔

ضرورت ہے کہ ہر گھر میں صحابہ وصحابیات کی زندگیوں کا مطالعہ ہو، ہر مسلم نوجوان لڑکا لڑکی صحابہ وصحابیات کو اسوہ بنائیں۔

ضرورت ہے کہ علماءِ امت وخطبائے کرام اپنی نگارشات اور صوتی ترسیلات کے ذریعے امت کے قلوب میں صحابہؓ کی قدر ومنزلت کو پیدا کریں، اُن کی پاکیزہ حیات کو سلسلہ وار اتنی تفصیل سے بیان کریں کہ اُن پر اٹھائے گئے الزامات غبار بن کر اڑ جائیں۔ دفاعِ صحابہؓ کو نصرت دین وتحفظ شریعت کا حصہ سمجھیں۔

ضرورت ہے کہ مدارس اسلامیہ میں باضابطہ ''حیات الصحابہ'' کے موضوع پر مطالعہ کرایا جائے، ان پر محاضرات ومسابقات منعقد کئے جائیں۔

مبارک ہیں وہ جماعتیں اور تحریکیں جو ناموسِ صحابہؓ کے لیے تن دھن من کی بازی لگا رہی ہیں۔

مبارک ہیں وہ خطباء وواعظین اور مصنفین ومؤلفین جو تقدیسِ صحابہؓ کے لیے زبان وقلم کے اسلحے سے دشمنانِ صحابہؓ سے برسرپیکار رہیں۔

مبارک ہیں وہ شعراوثناخواں جو شعروسخن سے توقیرِ صحابہؓ کی محفلیں سجا رہے ہیں۔

مبارک ہیں وہ مومن والدین اور سرپرستان جو اپنی اولاد کے دلوں میں حبِّ صحابہؓ کے بیج بو رہے ہیں۔

اللہ پاک ہر مسلمان مرد وزن، پیر وجواں، شہری ودیہاتی کو اس تقدس مآب جماعت کا حریم و پاسبان بنائے۔ آمین یارب العالمین والسلام علی النبی الامین۔

گوشہ سیرت

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حضرت معاذؓ کو اہم نصیحتیں

از: مرتب*

حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے کوئی ایسا عمل بتائیے جو مجھے جنت میں داخل کردے اور جہنم سے دور کردے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: حقیقت یہ ہے کہ تم نے بہت بڑی بات پوچھی، یہ اُس شخص کے لئے آسان ہے جس کے لئے حق تعالیٰ آسانی فرمائے۔ (تو سنو!) ۱۔ اللہ کی عبادت کرو، اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ ۲۔ نماز قائم کرو۔ ۳۔ زکوٰۃ ادا کرو۔ ۴۔ رمضان کے روزے رکھو۔ اور ۵۔ حج کرو۔ (حضرت معاذؓ فرماتے ہیں کہ) پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پوچھا کہ ''کیا میں تمہیں ابواب خیر نہ بتاؤں؟'' (پھر خود ہی فرمایا:) روزہ ڈھال ہے، صدقہ خطاؤں کو مٹاتا ہے ایسے جیسے پانی آگ کو بجھاتا ہے، نیز رات کے اخیر حصہ میں نماز تہجد ادا کرنا (بھی گناہوں کو ختم کردیتا ہے) پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ آیت تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ ... سے۔ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ تک تلاوت فرمائی ترجمہ: اُن کے پہلو (رات کے وقت) اپنے بستروں سے جدا ہوتے ہیں وہ اپنے پروردگار کو ڈر اور امید (کے ملے جُلے جذبات) کے ساتھ پکار رہے ہوتے ہیں اور ہم نے ان کو جو رزق دیا ہے، وہ اس میں سے نیکی کے کاموں میں خرچ کرتے ہیں، چناں چہ کسی متنفس کو پتہ نہیں ہے کہ ایسے لوگوں کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک کا کیا سامان اُن کے اعمال کے بدلے میں چھپا کر رکھا گیا ہے۔

(حضرت معاذؓ فرماتے ہیں کہ) پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پوچھا کہ ''کیا میں تمہیں اس چیز (دین) کا سر، اُس کے ستون اور اُس سے کوہان کی بلندی نہ بتاؤں؟'' میں نے عرض کیا ضرور یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اس چیز (یعنی دین) کا سر اسلام ہے، اور اس کا ستون نماز ہے، اور اس کی کہان کی بلندی جہاد ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پوچھا کہ ''کیا میں تمہیں اِن سب کی بنیاد اور جڑ نہ بتاؤں؟'' میں نے عرض کیا: کیوں نہیں ضرور بتائیے اللہ کے رسول! ۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی زبانِ مبارک پکڑی اور فرمایا: اس کو قابو میں رکھو، میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! یہ جو کچھ بولتی ہے کیا اس پر ہمارا مواخذہ ہوگا؟ آپ نے فرمایا: ''تیری ماں تجھ کو روئے'' یعنی افسوس تمہیں معلوم نہیں۔ لوگوں کو جہنم میں اوندھے منہ زبان کی کاٹی ہوئی کھیتیاں ہی تو ڈالیں گی۔

(رواہ الترمذی، الاذکار للنووی، ۳۶۸)

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

گوشۂ خواتین

اسلام کی باکمال خواتین

حضرت ضباعہ بنت الزبیر رضی اللہ عنہا

(حضرت مقداد بن الاسودؓ کی اہلیہ محترمہ)

از: مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی*

نام ونسب:

نہایت عظیم صحابیہ ہیں، ہجرت مدینہ کا شرف حاصل کیا، نبی کریم ﷺ کی چچازاد بہن ہوتی ہیں، مشہور صحابیٔ رسول حضرت عبد اللہ بن زبیر بن عبد المطلبؓ ان کے بھائی ہیں، ان کی بہن ام حکیم بنت الزبیر بن عبد المطلب کا شمار مشہور راویات حدیث میں ہوتا ہے، ان کا نام ونسب اس طرح ہے، ضباعۃ بنت الزبیر بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی قریشی ہاشمی، ان کی والدہ محترمہ عاتکہ بنت ابو وہب بن عمرو بن عائذ بن عمران بن مخزوم، قبیلہ بنی مخزوم سے تعلق رکھتی ہیں۔

قبول اسلام:

اولین سابقین اسلام قبول کرنے والی مہاجرات میں ان کا شمار ہوتا ہے۔

(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب: ۴/ ۱۸۵۷، دار الجیل، بیروت، الطبعۃ الاولی)

نکاح:

ان کا نکاح مشہور صحابی رسول ﷺ حضرت مقداد بن عمرو الاسود سے ہوا، جو قبیلہ قضاعہ کی شاخ ''بہرا'' سے تعلق رکھتے تھے، و بدری صحابی ہیں، حبشہ اور یثرب دونوں جگہ کی ہجرت سے مشرف ہوئے، نبی کریم ﷺ کے ساتھ تمام غزوات میں شرکت کی، سابقین اولین مسلمانوں میں شمار ہوتے ہیں، شام ومصر کی فتوحات میں شامل رہے، ان کے نکاح کے سلسلہ میں ایک دلچسپ روایت علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے ''الاصابۃ'' میں ذکر کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ حضرت مقدادؓ سے ایک مرتبہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ نے کہا کہ تم شادی کیوں نہیں کرتے

* ادارہ علم وعرفان، حیدرآباد، واستاذ حدیث دار العلوم دیودرگ

مقداد رضی اللہ عنہ بڑے سادہ مزاج اور صاف گو تھے، انہوں نے سادگی سے جواب دیا ''تم اپنی لڑکی سے بیاہ دو'' اس پر حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سخت ناراض ہوئے اور انہیں سخت سست کہا، حضرت مقدادؓ دربارِ نبوت میں شکایت لے کر حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر کسی کو تمہیں اپنی بیٹی دینے سے انکار ہے تو ہونے دو، میں تمہیں اپنی چچازاد بن سے نکاح کروادوں گا، اس طرح حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کا نکاح حضرت ضباعۃ بنت الزبیرؓ سے ہوگیا۔ ''فشکا ذلک للنبی ﷺ فقال: أنا أزوجک، فزوجه بنت عمة ضباعة بنت الزبير بن عبد المطلب'' (الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ، لابن حجر، المقداد بن الاسود: ۶/۱۶۰، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، الطبعۃ الاولی: ۱۴۱۵ھ)۔

اولاد:

حضرت مقدادؓ سے آپ کی دو اولاد ہوئیں، عبد اللہ اور کریمہ، عبد اللہ جنگ جمل میں شہید ہو گئے، جب ان کی لاش کے پاس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ گذرے تو فرمایا: تم بہت ہی برے بھتیجے ثابت ہوئے، اس وقت وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ضباعہ رضی اللہ عنہ کو بھی خیبر کی چالیس وسق کھجوریں عطا کی تھیں۔ ''وأطعم رسول اللہ ﷺ ضباعة بنت الزبير فى خيبر أربعين وسقا'' (الطبقات الکبری لابن سعد: ۸/۳۸، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)۔

حجۃ الوداع میں شرکت:

حضرت ضباعۃؓ سن رسید تھیں، اسلام کے پہلے حج حجۃ الوداع میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں شرکت کرنا چاہتی تھیں، جب لوگ حج کی تیاری کرنے لگے تو بڑی غمزدہ ہوئیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوکر عرض گذار ہوئیں، اے اللہ کے رسول! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نہایت کمزور ناتواں اور نحیف ہوچکی ہوں، میرا حج کا ارادہ ہے میں کیسے کروں فرمایا: یوں کہو، ''لبیک اللهم لبیک محلی من الأرض حيث تحبسنی'' (اے اللہ! میں تیری خدمت میں حاضر ہوں، میں تیری خدمت میں حاضر ہوں، اپنے اس مقام سے جہاں تو روک لے''۔ یعنی جہاں رکاوٹ ہو وہاں احرام کھول دیا جائے۔

(اسد الغابۃ، ضباعۃ بنت الزبیر: ۷/۱۷۶، دار الکتب العلمیۃ، الأولی، ۱۴۱۵ھ، ۱۹۹۴م)

جودوسخا:

نہایت سخی واقع ہوئیں تھی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہاں ان کا مقام ومرتبہ نہایت بلند تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے گھر تشریف لاتے، کھانا پکا کر خدمت اقدس میں پیش کرتیں، ایک دفعہ مقداد بن اسودؓ کے قبیلہ کے تیرہ سرداران مدینہ منورہ آئے، حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے ان کا پرتپاک استقبال کیا، ان کی اپنے گھر میں مہمان نوازی کی، حضرت ضباعہ رضی اللہ عنہا نے کھجور، پنیر اور گھی کا کھانا پیش کیا، مہمانوں نے نہایت آسودہ ہو کر کھایا، اسی کھانے کو ایک پیالہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کس نے بھیجا ہے، حضرت ضباعہؓ کی باندی سدرہ نے کہا، حضرت ضباعہ نے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہمانوں کے سلسلہ میں دریافت کیا تو اس باندی نے کہا کہ وہ ہمارے گھر ہیں انہوں نے آسودہ ہو کر کھایا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل خانہ اور سدرہ نے اس پیالہ سے آسودہ ہو کر کھایا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: باقی کھانے کو لے جا کر اپنے مہمانوں کو کھلاؤ، چنانچہ وہ کھانا لے کر سدرہ حضرت ضباعہ کے پاس آئیں، مسلسل مہمان کئی دن تک اس سے کھاتے رہے، اور حضرت مقدادؓ سے کہنے لگے: ابو معبد! آپ تو ہمیں روزانہ آسودہ ہو کر کھانا کھلاتے ہو، اس قدر بہترین کھانا تو ہم نے کبھی نہیں کھایا، ہم نے سنا ہے کہ تمہارے علاقے میں کھانے کی کمی ہے اور ہم تو آسودہ ہو کر کھا رہے ہیں، حضرت مقدادؓ نے بتلایا کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انگلیوں کی برکت ہے'' فأخبرهم أبو معبد بخبر رسول الله ﷺ أنه أكل منها أكلا وردّها، فهذه بركة أصابع رسول الله ﷺ''، اس پیالہ سے اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تناول فرمایا تھا، آپ کے انگشتہائے مبارکہ کی یہ برکت ہے، سارے لوگ بیک وقت کہہ پڑے، ''نشهد انه رسول الله'' (ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں)۔ پھر ان کا ایمان نہایت مضبوط ہو گیا، بعد ازاں ان لوگوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرائض کا علم سیکھا چند روز ٹھہرے اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں وداع ہونے کے لئے حاضر ہوئے تو آپ نے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں انعامات سے نوازا۔ (زاد المعاد لابن القیم، فصل فی قدوم وفد بہراء: ۳/ ۵۷۳، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، مکتبۃ المنار الاسلامیۃ کویت، الطبعۃ السابعۃ والعشرون: ۱۴۱۵ھ/ ۱۹۹۴م)

روایات: ان سے کئی ایک روایات بھی منقول ہیں، جن کو ابوداود، نسائی ابن ماجہ وغیرہ نے ذکر کیا ہے

وفات: وفات کے سلسلے میں علامہ صفدی نے ''الوافی بالوفیات'' میں فرمایا ہے کہ ان کی وفات سن ۵۰ ہجری میں ہوئی۔ (الوافی بالوفیات: بنت عم النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ۱۶/ ۲۰۲، داراحیاء التراث العربی، بیروت، عام النشر: ۱۴۲۰ھ، ۲۰۰۰م)

تذکارِ صحابہؓ

حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ

از: مولانا عبدالرشید طلحہ نعمانی قاسمی*

حضرت ابو معاویہ عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ بھی ان سابقین اولین میں سے ایک ہیں؛ جنہوں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دار ارقم میں پناہ گزیں ہونے سے قبل ہی آپ کے دست حق پرست پر اسلام قبول کیا اور مسلمان ہونے کی پاداش میں کفار و مشرکین کی جانب سے ہر طرح کی تکلیف و اذیت کو گوارا کیا۔آپ کا شمار نہایت ہی وجیہ، بلند ہمت، صاحب عزیمت اور جانباز صحابہ میں ہوتا ہے۔ ہجرت کے آٹھ مہینے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو مقام "رابغ" کی طرف جہاد کے لیے روانہ فرمایا، اسی لیے آپ کو اسلامی پرچم کے سب سے پہلے علم بردار صحابی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، نیز یہ اعزاز بھی آپ کو حاصل ہے کہ آپ غزوہ بدر کے سب سے پہلے زخمی اور سب سے آخری شہید ہونے والے مہاجر صحابی ہیں۔ خاندان قریش کے بہت ہی ممتاز، نام ور اور ذی اثر لوگوں میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔

مختصر حالات:

حضرت عبیدہ بن حارثؓ قریشی ہیں، آپ کے والد حارث، مطلب بن عبد مناف کے بیٹے تھے۔ حضرت عبیدہ کی کنیت ابو الحارث تھی اور بعض حضرات نے ابو معاویہ کنیت لکھی ہے۔ قد میانہ، رنگ گندم گوں اور چہرہ بہت خوب صورت تھا۔آپ جوانی کی منزلیں پار کر چکے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعلانِ نبوت کو سنا اور جب اسلام کی منور کرنیں آپ کے دل پر پڑیں تو سعادت مندی نے قدم چومے اور بڑھ کر دامن اسلام کو تھام لیا۔ ابتدائی زمانے میں اسلام قبول کرنے والوں پر جو ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے گئے، اُن کے تصور سے ہی کلیجہ کانپنے لگتا ہے؛ لیکن محبت اور جاں نثاری کی مثال دنیا کی تاریخ میں کوئی دوسرا اب تک پیش نہیں کر سکا کہ جو بھی شخص نبیِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی میں آجاتا اسے کسی بھی قسم کے مظالم اور مصائب و آلام کا ذرہ برابر احساس نہ ہوتا؛ بل کہ وہ ان تکلیفوں اور مصیبتوں کو ہنس کر سہہ جاتا۔ اس کے پائے استقامت میں کبھی بھی لرزہ طاری نہیں

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

ہوتا۔ حضرت عبیدہ بن حارث اوران کی بیوی ام المساکین حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہما پر بھی دشمنانِ اسلام نے مظالم ڈھائے۔ ان دونوں جاں نثارانِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جتنی سختیاں کی جاتیں ان کے اندر محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چنگاری شعلۂ جوالہ بن کر بھڑکنے لگتی۔

مدینہ کی جانب ہجرت:

مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم ہوا تو عبیدہ اوران کے دونوں بھائی طفیل، حصین اور مسطح بن اثاثہ ایک ساتھ روانہ ہوئے، اتفاقاً راہ میں مسطح کو بچھو نے ڈنگ مارا، اس لیے وہ پیچھے چھوٹ گئے؛ لیکن دوسرے روز خبر ملی کہ وہ نقل وحرکت سے بالکل مجبور ہو چکے ہیں تو پھر واپس آئے اوران کو اٹھا کر مدینہ لے گئے، یہاں عبدالرحمٰن بن سلمہ عجلانی نے خوش آمدید کہا اور لطف ومحبت کے ساتھ میزبانی کا حق ادا کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تشریف لانے کے بعد عمیر بن حمام انصاری رضی اللہ عنہ سے مواخات کرادی اور مستقل سکونت کے لیے ایک قطعہ زمین مرحمت فرمایا جس میں ان کا تمام خاندان آباد ہوا۔

سریہ عبیدہ بن حارث:

سن دو ہجری میں ساٹھ یا اسّی مہاجرین کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ کو سفید جھنڈے کے ساتھ امیر بنا کر ''رابغ'' کی طرف روانہ فرمایا۔ جب یہ لشکر ''ثنیۂ مرہ'' کے مقام پر پہنچا تو ابو سفیان اور ابوجہل کے لڑکے عکرمہ کی کمان میں دوسو کفار قریش جمع تھے دونوں لشکروں کا سامنا ہوا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی للہ تعالیٰ عنہ نے کفار پر تیر پھینکا یہ سب سے پہلا تیر تھا جو مسلمانوں کی طرف سے کفار مکہ پر چلایا گیا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کل آٹھ تیر پھینکے اور ہر تیر نشانہ پر ٹھیک بیٹھا۔ کفار ان تیروں کی مار سے گھبرا کر فرار ہو گئے اس لیے کوئی جنگ نہیں ہوئی۔

غزوۂ بدر میں شرکت اور شہادت:

غزوہ بدر میں صف بندی کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے تین بہادر اصحاب کو میدان میں اتارا۔ ان میں سے ایک سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، دوسرے سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اور تیسرے سیدنا عبیدہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ کفّار کی جانب سے ولید حضرت علی کے مقابلے پر آیا؛ جبکہ شیبہ کا مقابلہ سیدنا امیر حمزہ سے ہوا۔ ان دونوں کو آن واحد میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ نے جہنم واصل کیا۔ تیسرے صحابی سیدنا عبیدہ بن حارث جو اول الذکر دونوں صحابیوں سے عمر میں کافی بڑے تھے، ان کا مقابلہ کفّار کی جانب سے

میدان میں اترنے والے عتبہ سے ہوا۔ گو کہ سیدنا عبیدہ بن حارث (جن کی عمر اس وقت 63 سال تھی) نے عتبہ کو خوب گھائل کیا؛ مگر آپ خود بھی شدید زخمی ہوئے۔

یہ بڑی جاں بازی کے ساتھ لڑتے رہے مگر اس قدر زخمی ہو گئے کہ پنڈلی ٹوٹ کر چور چور ہو گئی اور نلی کا گودا بہنے لگا۔ یہ دیکھ کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آگے بڑھ کر شیبہ کو قتل کر دیا اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کو اپنے کاندھے پر اٹھا کر بارگاہ رسالت میں لائے۔ اس حالت میں حضرت عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا میں شہادت سے محروم رہا؟ ارشاد فرمایا: ہرگز نہیں بلکہ تم شہادت سے سرفراز ہو گئے۔ یہ سن کر انہوں نے کہا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اگر آج ابوطالب زندہ ہوتے تو وہ مان لیتے کہ ان کے اس شعر کا مصداق میں ہی ہوں۔

وَنُسْلِمُهٗ حَتّٰی نُصرَّعَ حَوْلَهٗ وَنَذْهَلُ عَنْ اَبْنَائِنَا وَالحلَائِلِ

(یعنی ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس وقت دشمنوں کے حوالہ کریں گے جب ہم ان کے گرد اگرد لڑتے لڑتے خون میں لت پت ہو جائیں گے اور ہم اپنے بیٹوں اور بیویوں کو بھول جائیں گے) اسی زخم میں آپ منزل صفراء میں پہنچ کر شرف شہادت سے سرفراز ہوئے۔ عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بے پناہ جاں نثاریوں اور فداکاریوں کی بدولت ان کو یہ شاندار کرامت نصیب ہوئی کہ ان کی قبر اطہر سے اس قدر مشک کی تیز خوشبو آتی کہ پورا میدان ہر وقت مہکتا رہتا۔ چنانچہ منقول ہے کہ ایک مدت کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ منزل صفراء میں قیام ہوا تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حیران ہو کر بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ یارسول اللہ! اس صحرا میں مشک کی اس قدر تیز خوشبو کہاں سے اور کیوں آ رہی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس میدان میں ابومعاویہ (حضرت عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی قبر موجود ہوتے ہوئے تمہیں تعجب کیوں ہو رہا ہے کہ یہاں مشک کی خوشبو مہک رہی ہے۔

اصلاحی مضامین

اسلام میں صبر کا تصور اور اس کی افادیت

حضرت مولانا محمد اسرار الحق قاسمیؒ

اسلام میں ''صبر'' کو بڑی اہمیت دی گئی ہے۔قرآن میں متعدد مقامات پر صبر کا حکم موجود ہے۔رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بھی صبر کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں۔قرآن میں کہا گیا ہے کہ صبر کرنے والوں کے ساتھ اللہ ہوتا ہے۔ان اللہ مع الصابرین۔ایک جگہ فرمایا گیا:واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ۔صبر اور نماز کے ساتھ مدد چاہو۔مذکورہ آیات اور متعدد احادیث واسوۂ نبیؐ سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ صبر نہایت ہی اہم شے ہے اور اسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔اس لیے مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ صبر کی حقیقت، اہمیت اور افادیت سے واقف ہوں تا کہ صبر ان کے ذہنوں میں پیوست ہوجائے اور اپنی کامیابی کے لیے وہ اسلام کے اس عظیم ہتھیار کو استعمال کرسکیں۔جب انسان کسی مصیبت میں گرفتار ہو تو اسے سب سے پہلے صبر کی طرف متوجہ ہونا چاہئے،اُسے غصہ آئے تو صبر سے کام لے۔اگر دشمن اس پر حملہ کرے تو وہ صبر کے پہلو پر ضرور غور وفکر کرے کیوں کہ کئی مرتبہ صبر کرکے دشمن کو زیر کیا جاسکتا ہے۔کئی بار غصہ کی حالت میں صبر کرکے شیطان کے حربوں کو ناکارہ بنایا جاسکتا ہے۔

''صبر''ایک وسیع مفہوم کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔چنانچہ صبر کا مطلب صرف یہ نہیں کہ لوگ ناکام ہوکر یا پریشانی میں گرفتار ہوکر ہمیشہ کے لیے حالات سے سمجھوتہ کرلیں اور اپنے دل میں یہ سوچ لیں کہ وہ کامیاب نہیں ہوسکتے؛ بلکہ صبر تو یہ ہے کہ اگر کسی معاملہ میں کسی شخص کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑے تو وہ جذباتی نہ ہو،غور وفکر کرے،جو کچھ وہ کرتا رہا ہے،اس کا محاسبہ کرے،اپنی کمیوں کو تلاش کرے اور اسباب وعوامل کا پتہ لگا کر جدوجہد کرے اور استقلال قائم رکھے۔کئی بار انسان اپنی منزل کی طرف رواں دواں رہتا ہے مگر کافی وقت گزرنے اور لمبی مسافت طے کرنے کے بعد بھی وہ منزل تک نہیں پہنچتا تو اس کا ذہن پریشان ہونے لگتا ہے اور مایوسی اسے چاروں طرف سے گھیرنے لگتی ہے۔وساوس اسے مایوس کرنے لگتے ہیں اور وہ یہ خیال کرنے لگتا ہے کہ وہ اپنی منزل تک کبھی نہیں پہنچ پائے گا۔یہ وقت اس کے لیے بڑا صبر آزما ہوتا ہے۔اگر وہ صبر کرتا ہے اور منزل

کی طرف اپنے سفر کو جاری رکھتا ہے تو ایک نا ایک دن منزل تک پہنچ جاتا ہے اور اگر وہ صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیتا ہے اور راہ سے ہٹ جاتا ہے تو پھر کبھی اپنی منزل تک نہیں پہنچتا حالاں کہ بعض اوقات منزل بہت نزدیک ہوتی ہے۔

عام طور سے دیکھا جاتا ہے کہ جب انسان کو غصہ آتا ہے تو وہ بے قابو ہو جاتا ہے اور اس حالت میں الٹے سیدھے فیصلے لیتا ہے، کئی بار غصہ کی حالت میں لیے ہوئے فیصلے اتنے نقصاندہ ہوتے ہیں کہ مدت طویل گزرنے کے بعد بھی ان کی تلافی نہیں ہو پاتی اور زندگی بھر پریشانی اس کا تعاقب کرتی رہتی ہے۔ ایسے کتنے واقعات آئے دن رونما ہوتے ہیں کہ لوگوں کے درمیان معمولی بات پر جھگڑا ہوا، دونوں کو غصہ آیا، گالی گلوچ ہوئی، مار پیٹ تک نوبت آگئی۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ قتل تک ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد دیکھا جاتا ہے کہ لوگ پچھتاتے ہیں۔ ایک تو اس لیے کہ ان کے ہاتھوں کسی کی جان چلی گئی اور وہ بڑے گناہ کے مرتکب ہو گئے، اس لیے بھی کہ قتل کے بعد جیل بھی جانا پڑتا ہے، ان کے خلاف مقدمات قائم ہوتے ہیں، عدالتوں کے چکر کاٹنے پڑتے ہیں، پیسے خرچ ہوتے ہیں، بہت سے قاتلوں کو ضمانت تک نہیں مل پاتی، اور بعض کو عمر قید ہو جاتی ہے۔ اب ان کی زندگی جیل کی چہار دیواری کے اندر کٹتی ہے، دنیا سے ان کا تعلق تقریباً ختم سا ہو جاتا ہے، ان کا سارا کریئر تباہ ہو جاتا ہے۔ بچوں کو پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، رسوائی الگ ہوتی ہے۔ جن ممالک میں قتل کی سزا قتل ہے، وہاں قاتل کو سزا کے طور پر قتل کر دیا جاتا ہے۔ جو لوگ عدالت سے بری کر دیے جاتے ہیں ان کی پریشانیاں بھی کم نہیں ہوتیں، ایک تو اس لیے کہ وہ مقدمات میں اپنی جمع پونجی خرچ کر چکے ہوتے ہیں، دوسرے اس لیے کہ وہ سماج میں بدنام ہو جاتے ہیں، تیسرے اس لیے کہ ان کی جانوں کو اس بات کا خطرہ لاحق رہتا ہے کہ کہیں مقتول کے ورثاء ان کا قتل نہ کر دیں۔ ایسی بہت سی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ اگر لڑائی کے وقت صبر سے کام لے لیا جاتا، غصے کو پی لیا جاتا، تو یہ نوبت نہ آتی، ان کی زندگی سکون کے ساتھ گزرتی اور ان کا مستقبل تابناک ہوتا۔

میاں بیوی کے درمیان ہونے والے تنازعات میں صبر سے کام لینا بہت ضروری اور اہم ہے۔ شوہر اور بیوی دونوں کو چاہیے کہ وہ لڑائی کو آگے نہ بڑھائیں۔ شوہر کو غصہ آئے تو وہ وہاں سے ٹل جائے یا اپنے غصہ کو ضبط کر لے۔ ایسے مواقع پر جو لوگ صبر اختیار کرتے ہیں، وہ آنے والی پریشانیوں سے بچ جاتے ہیں اور میاں بیوی کے مابین دو چار دن میں حالات پھر سازگار ہو جاتے ہیں اور دونوں ہنسی وخوشی اور پیار ومحبت سے زندگی گزارنے لگتے ہیں، لیکن بعض لوگ اپنے غصے پر قابو نہیں رکھ پاتے اور بیوی کی سخت پٹائی کر دیتے ہیں، اگر بیوی اس کی شکایت پولس میں کر دیتی ہے تو ان کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ایسے ہی کئی بار دونوں کے مابین مستقل

جھگڑے کے حالات بن جاتے ہیں اور پھر گھر کا سکون جاتا رہتا ہے، کئی شوہر تو بیوی سے لڑائی جھگڑے کی صورت میں اپنی بیویوں کو طلاق دے ڈالتے ہیں، تین طلاقیں یا ان سے بھی زیادہ۔ اب ان کے درمیان ازدواجی رشتہ ختم ہوجاتا ہے، شوہر کو جب ہوش آتا ہے تو اسے محسوس ہوتا ہے کہ اس کی زندگی لٹ چکی ہے، اس کا گھر تباہ ہو چکا ہے، جس بیوی کو وہ چاہتا تھا، وہ اس کی زندگی سے دور جا چکی ہے، اس کے بچوں کی زندگی بھی خراب ہوگئی ہے، ایسے حالات میں وہ نہایت پشیمان ہوتا ہے، روتا ہے، اپنے آپ کو کوستا ہے، لیکن جب تیر کمان سے نکل گیا تو واپس آنے والا نہیں ہوتا۔ غصہ اور معمولی جھگڑوں کے نتیجے میں دی جانے والی طلاقوں نے کتنی ہی زندگیوں کو اجاڑ دیا اور کتنے ہی گھروں کو تباہ کردیا ہے۔ اگر لڑائی کے وقت صبر سے کام لے لیا جاتا تو سب کچھ ٹھیک ٹھاک رہتا اور نوبت یہاں تک نہ پہنچتی۔ ایسے مواقع پر بیوی کو بھی صبر اختیار کرنا چاہئے، اسے خاموش ہوجانا چاہئے، اسے اپنے شوہر کو اتنا زیادہ غصہ نہ دلانا چاہئے کہ وہ آپے سے باہر ہوکر کوئی الٹا سیدھا قدم اٹھالے۔

بہت سے لوگ اپنے اوپر آنے والے حالات میں صبر نہیں کر پاتے اور مایوسی کے شکار ہوکر خودکشی کر بیٹھتے ہیں، جب کہ دنیا میں ایسے کتنے واقعات رونما ہوئے کہ لوگوں کو سخت حالات و ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا اور انھوں نے سوچا کہ اب ان کی زندگی بے کار ہے مگر پھر بھی صبر سے کام لیتے رہے، نتیجہ یہ سامنے آیا کہ آگے چل کر ان کے حق میں حالات سازگار ہوگئے اور وہ پھر خوشگوار زندگی گزارنے لگے۔ گویا کہ سخت اور مایوس کن حالات میں بھی صبر سے کام لینا چاہئے۔ بہت سی مرتبہ مشکل کے بعد آسانی آتی ہے، تنگی کے بعد کشادگی پیدا کردی جاتی ہے، غربت کے بعد مالداری آجاتی ہے، اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا۔ کئی بار ایسا ہوتا ہے کہ انسان اپنے اوپر آنے والے حالات کو بہت غلط سمجھتا ہے جب کہ وہ حالات آگے چل کر اس کے لیے مفید ثابت ہوتے ہیں اور ان سے کوئی آسانی نکل آتی ہے جس سے اس کا کریئر روشن ہوجاتا ہے۔ مثال کے طور پر کوئی طالب علم امتحان میں ناکام قرار دیا جاتا ہے کہ تو وہ اس کو اپنے لیے ناکامی نہیں خیال کرتا ہے بلکہ اپنے لیے چیلنج بنالیتا ہے اور اگلی بار وہ بھرپور تیاری کرتا ہے۔ اس تیاری اور محنت کی وجہ سے اگلے سال کے امتحان میں وہ اعلیٰ یا امتیازی نمبروں سے پاس ہوجاتا ہے، اب اس کے لیے آگے کے کورسوں میں داخلہ آسان ہوجاتا ہے، محنت کی وجہ سے اسے معلومات بھی اچھی ہوجاتی ہے، صلاحیت بھی بن جاتی ہے اور اعلیٰ نمبروں کی وجہ سے آگے کے کورسوں میں اچھے کالجوں کے اندر اس کا داخلہ ہوجاتا ہے، پھر وہ وقت کے ساتھ ترقی کرتا چلا جاتا ہے، ڈگریاں حاصل کرتا ہے، اپنی صلاحیتوں کا لوہا منواتا ہے اور ملازمت یا مستقبل کو روشن بنانے کے بہت سے

مواقع اس کا استقبال کرتے ہیں۔اگر وہ فیل نہ ہوتا تھرڈ یا سیکنڈ ڈویژن سے پاس ہوجاتا تو اس وقت اس کو بھلے ہی خوشی ہوتی لیکن بعد میں اس کے لیے آگے بڑھنے کے اتنے امکانات روشن نہ ہوتے۔لہذا ہر شخص کو مشکل حالات میں یا عارضی ناکامی کی صورت میں اپنی تیاری، محنت ولگن کو اور زیادہ بڑھا دینی چاہئے اور وقت کا انتظار کرنا چاہئے۔

صبر کا تقاضہ ہے کہ مشکل حالات میں بھی انسان ثابت قدم رہے، صحیح راستوں سے نہ ہٹے اور غلط طریقوں یا راستوں کا انتخاب نہ کرے۔ بہت سے لوگ مشکلات میں صحیح راستوں سے ہٹ جاتے ہیں اور غلط طریقوں کو اختیار کرلیتے ہیں۔اس زمانے میں لوگ دولتِ کثیر حاصل کرنا چاہتے ہیں، اس کے لیے تگ ودو کرتے ہیں، منصوبے بناتے ہیں، ان پر عمل کرتے ہیں، لیکن ان میں سے کچھ لوگ کامیاب ہوجاتے ہیں اور کچھ ناکام۔ ناکام لوگوں میں دوطرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ایک وہ جو ناکامی کے باوجود بھی صبر کرتے ہیں، دولت نہ آنے، کسمپرسی میں زندگی گزارنے کی صورت میں صحیح اور حلال راستوں کو نہیں چھوڑتے، دوسرے وہ لوگ ہوتے ہیں جو حلال طریقے سے زیادہ دولت نہ جمع کرنے کی وجہ سے غلط اور ناجائز راستوں پر چل پڑتے ہیں اور حرام طریقوں سے دولت اکٹھی کرنے میں لگ جاتے ہیں۔یعنی وہ ''صبر'' نہیں رکھ پاتے۔ناجائز اور حرام طریقوں کو اختیار کرکے بھلے ہی وہ دولت حاصل کرنے میں کامیاب ہوجائیں، عمارتیں بنالیں اور پُرتعیش زندگی گزارنے لگیں مگر فی الواقع یہ ان کی ناکامی ہوتی ہے؛ اس لیے کہ ناجائز وحرام کام کرنا گناہ کی بات ہے، پھر حرام روزی کے نتائج خطرناک ہوتے ہیں، اس کے اثرات اس کے آنے والی نسلوں تک پڑتے ہیں، موت کے بعد جب اسے حساب کتاب سے گزرنا پڑے گا تب اس پر کیا گزرے گی، تصور کیا جاسکتا ہے۔

اجتماعی اعتبار سے مسلمان اس وقت ساری دنیا میں سخت حالات سے دوچار ہیں۔اسلام دشمن طاقتیں ان پر عرصۂ حیات تنگ کرنے کے لیے سازشیں رچ رہی ہیں اور ان پر حملہ آور ہورہی ہیں۔مسلمانوں کے پاس وسائل کی کمی ہے، ٹکنالوجی کے میدان میں بھی وہ پیچھے ہیں۔اسلحے وساز وسامان کی بات کریں تو وہ مسلمانوں کے پاس دوسری قوموں کے مقابلے میں نا کی برابر ہے۔ایسے ہی مسلمانوں کے پاس اتحاد کا بھی فقدان ہے۔وہ مسالک کے درمیان تقسیم ہیں، کہیں برادریوں کے نام پر بٹے ہوئے ہیں، اور کہیں خاندانوں وعلاقوں کے نام پر جب کہ اسلام مخالف جماعتیں باہم متحد ہوچکی ہیں اور انھیں اس بات کے لیے اکسارہی ہیں کہ وہ میدان میں آئیں اور مقابلہ کریں۔ یہ وقت مسلمانوں کے لیے بڑا صبر آزما ہے۔ان کے پاس اس کے علاوہ بظاہر کوئی راستہ نظر نہیں آتا کہ ''صبر'' سے کام لیں۔تصادم کے راستے پر نہ جائیں اور نہ مقابلے کے لیے آگے بڑھیں۔اس اثنا

میں اس سوال پر غور وفکر کریں کہ ان کی یہ درگت کیوں بن گئی کہ مخالفینِ اسلام انھیں للکار رہے ہیں، انھیں مقابلہ کی دعوت دے رہے ہیں، ان پر حملے کر رہے ہیں، ان کے دین کے خلاف ہتک آمیز باتیں کر رہے ہیں اور ان کے پاس اتنی قوت نہیں کہ ان کا جواب دے سکیں۔ اسباب کو تلاش کریں اور ان کا تدارک کریں۔صبر کے ساتھ اسباب اور تدارک کی جستجو وکوشش کے نتائج مستقبل میں مثبت آئیں گے۔ اسلام مخالف گروہوں کا اتحاد خود بخود ٹوٹ جائے گا،لیکن صبر نہ کرنے اور مقابلہ آرائی کی صورت میں ان کا اتحاد برقرار رہے گا۔ مسلمان منظم ومنصوبہ بند نہ ہونے کی وجہ سے خسارے میں مبتلا ہو سکتے ہیں۔ اس لیے موجودہ حالات میں صبر اور اتحاد کا دامن انھیں ہرگز نہ چھوڑنا چاہیے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں ہمیں صبر کے اعلیٰ نمونے ملتے ہیں۔صلح حدیبیہ اس کی واضح مثال ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیبیہ میں کفار کی بعض ایسی شرائط کو قبول کیا جن سے بظاہر یہ لگتا تھا کہ اس میں مسلمانوں کی ناکامی اور کفار ومشرکین کی کامیابی ہے۔ مشرکین نے یہ شرط لگائی کہ اس سال بغیر عمرہ کیے ہوئے واپس جانا ہوگا، چنانچہ یہ شرط بھی منظور کر لی گئی۔ بعض صحابہ کو پس وپیش ہوا مگر اتباعِ رسولؐ کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا۔ بعد میں پتہ چلا کہ صلح حدیبیہ مسلمانوں کی فتح ثابت ہوئی اور مسلمانوں کو مستحکم ہونے کا موقع مل گیا۔ یہ معاہدہ دس سال کے لیے تھا۔ گویا مسلمانوں کو دس سال کا وقت مل گیا کہ وہ مشرکین مکہ کی طرف سے مطمئن ہو کر دوسری جوانب متوجہ ہو سکتے تھے اور ایسا ہوا بھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کی تبلیغ کا کام اور زور وشور کے ساتھ کرنا شروع کر دیا۔ مختلف علاقوں میں اپنے نمائندے بھیجے، مختلف بادشاہوں کو خطوط روانہ کیے۔ صلح حدیبیہ کے بعد بہت سے لوگ اسلام لے آئے، بہت سے لوگوں نے اسلام کے بارے میں جانا اور وہ کافی حد تک اسلام کے قریب آ گئے۔ موجودہ حالات میں مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ صبر وثبات سے کام لیں، اپنا محاسبہ کریں، اسلام کے ساتھ اپنے رشتے کو مضبوط بنائیں، دینی تقاضوں ومطالبوں پر عمل پیرا ہوں، تبلیغ واشاعتِ دین کا کام جاری رکھیں، تعلیم کی طرف بڑھیں، اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کریں، زیادہ سے زیادہ ایماندار بنیں، دنیا کے سامنے مثبت اور تعمیری کردار پیش کریں اور صبر کے ساتھ وقت کا انتظار کریں، یقیناً اگلے کچھ سالوں یا دہائیوں میں حالات کافی حد تک تبدیل ہو جائیں گے۔ جاپان کی مثال ہمارے سامنے ہے کہ دوسری جنگ عظیم میں امریکہ نے جاپان کے دو شہروں پر ایٹم بم گرائے، وہ دونوں شہر تباہ ہو گئے، جاپان کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی، اپنے ابتر حالات کو دیکھتے ہوئے جاپان نے تشدد ومقابلے کے راستے کو چھوڑ کر اپنا ذہن ٹیکنالوجی کی طرف منتقل کر دیا۔ یہ کام جاپان کے لوگوں نے بڑی خاموشی سے کیا، کچھ ہی سالوں کے بعد جاپان کا سامان ساری دنیا کی مارکیٹوں میں پھیل

گیا۔ساما نوں کے معیار کی وجہ سے اقوام عالم جاپان کے تیار کردہ سامانوں کی طرف متوجہ ہوئیں جس کے سبب جاپان کی معیشت کو فروغ حاصل ہونے لگا اور وہ بتدریج آگے بڑھتا گیا اور ترقی یافتہ مما لک میں سے ایک ہوگیا۔اگر جاپان اپنی تباہی کے انتقام میں لگ جاتا اور پُر تشدد کارروائیاں انجام دیتا،تو اس کے لیے اتنی ترقی کرنا ممکن نہ ہوتا۔

موجودہ حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے مسلمانوں کو بھی تعمیری ومثبت کاموں کی طرف آنا پڑے گا اور فی الوقت اپنے حالات پر صبر سے کام لینا ہوگا۔انھیں زندگی کے تمام شعبوں میں حرکت و بیداری کا ثبوت دینا ہوگا، خود کفیل بننے کی کوشش کرنا ہوگی اور ہر معاملے میں صبر وثبات کو قائم رکھنا ہوگا۔امید کی جاسکتی ہے کہ آنے والی دہائیوں میں ان کی حالت بہتر ہوجائے گی اور ان کے دشمنوں کے حملے بے اثر ثبات ہوجائیں گے۔یہ بھی ممکن ہے کہ مسلمانوں کے خلاف حملے کرنے والوں کے حملوں میں شدت باقی نہ رہے، تجربات وشواہد بتاتے ہیں کہ Attack کی پوزیشن زیادہ وقت تک برقرار نہیں رہ پاتی اگر مدمقابل حملہ کرنے والوں کی اٹیک پوزیشن کو سنجیدگی اور ہوشیاری سے ضائع کردے تو پھر حملہ آوروں کے حوصلے دھیرے دھیرے پست ہونے لگتے ہیں اور وہ مغلوب ہوجاتے ہیں۔مثال کے طور پر کرکٹ کے میدان میں بالنگ کرنے والی ٹیم بلے بازوں پر سخت دباؤ بنانے کی کوشش کرتی ہے جب دو تین بلے باز آؤٹ ہوچکے ہوتے ہیں، بالنگ کرنے والی ٹیم چاہتی ہے کہ وہ جلدی سے وکٹ لے۔اس کے لیے بالرس بلے بازوں پر Attack کرتے ہیں اور وکٹ لینے کی کوشش کرتے ہیں،کبھی وہ تیز گیندیں پھینکتے ہیں،،کبھی ہلکی،کبھی بلے باز کولالچ دیتے ہیں،تاکہ وہ چھکے کے لیے بلّہ اٹھائیں اور فیلڈنگ کرنے والے کیچ پکڑ کر انھیں پویلین بھجوادیں،کبھی وہ زوردار آواز میں اپیلیں کرتے ہیں تاکہ بلّے بازوں پر دباؤ بنے اور غلطی کریں۔یہ وقت بلے بازوں کے لیے صبر آزما ہوتا ہے۔اگر وہ اس موقع پر جذباتی ہوجاتے ہیں تو جلد ہی آؤٹ ہوکر ہار کی کگار تک پہنچ جاتے ہیں اور اگر وہ اس موقع پر صبر کا مظاہرہ کرتے ہیں اور ان کی حملہ کی پوزیشن کو ضائع کردیتے ہیں تو دو چار اوَوروں کے بعد بالرس اٹیک کرنے کی پوزیشن میں نہیں رہتے اور ان کی بالنگ معمول پر آجاتی ہے۔اب بلے بازوں کے لیے موقع ہوتا ہے کہ وہ اپنے حساب سے جم کر کھیل کھیلتے رہیں۔فی زمانہ مسلمانوں کو بھی اپنی حکمتِ عملی سے میدانِ عمل کی پچ پر حملہ آور قوموں کی اٹیک پوزیشن کو سنجیدگی سے بے اثر کرنا ہوگا،اس کے بعد وہ معمول کی زندگی کی طرف جلد ہی لوٹ آئیں گے۔

اصلاحی مضامین

اسلامی سالِ نو اور واقعۂ ہجرت کے سبق آموز پہلو

از: مفتی رفیع حنیف قاسمی*

جب انگریزی سال نو کی ابتداء ہوتی ہے تو اس موقع سے بڑا شور شرابہ اور ہنگامہ ہوتا ہے، اخبارات، رسائل، ٹی وی، الغرض پرنٹ میڈیا اور الکٹرانک میڈیا ہر دو پر اس سالِ نو کی آمد پر بڑا ہٹر بونگ اور واویلا کیا جاتا ہے، سالِ گذشتہ کے ہر ہر دن پیش آنے والے اہم واقعات کو تاریخ وار ذکر کر کے ان کی یادیں تازہ کی جاتی ہیں ، سالِ گذشتہ پیش آمدہ واقعات کی تصاویر کو ٹیلی ویژن و اخبارات میں نشر و اشاعت کے ذریعہ ان کی یاددہانی کی جاتی ہے، اس کے بالمقابل اسلامی سالِ نو کی آمد پر اس حوالے سے مسلمانوں کے ذہن و دماغ پر جوں تک نہیں رینگتی اور انہیں اس حوالے سرے سے کچھ پتہ نہیں ہوتا کہ ماہِ محرم سے اسلامی سالِ نو کی ابتداء ہونے کو جارہی ہے ، ماہِ محرم سے اسلامی سالِ نو کی ابتداء کیوں کر ہوئی ؟ اس کا پس منظر کیا ہے؟ اس کے پس پردہ کیا وجوہات و اسباب تھے؟ انہیں کچھ پتہ نہیں ہوتا ، اسے مسلمانوں کی اپنی تاریخ ، اپنی شناخت و تشخص اور اپنے ایمان وعقیدہ سے عدمِ دلچسپی ، غفلت ولا پرواہی ، لاشعوری اور بے حسی نہ کہا جائے تو اور کیا کہیں ؟ ماہِ محرم سے اسلامی تاریخ کی ابتداء دراصل واقعۂ ہجرت کے پس منظر میں ہوئی ہے، جو دراصل اسلام کی کمزوری اور قوت وغلبہ کے دور کے درمیان حد فاصل اور خط امتیاز کی حیثیت رکھتا ہے۔

مختصر واقعۂ ہجرت:

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خلعتِ نبوت سے نوازا گیا، آپ نے اللہ عزوجل کے حکم سے ایمان باللہ و ایمان بالرسول کی دعوت دینے شروع کی تو کفار مکہ آپ کی دشمنی اور عداوت پر تل گئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متبعین اور پیروکاروں کو ہر طرح کی تکالیف ومصائب سے دوچار کیا جانے لگا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متبعین کو اسلام اور دعوتِ اسلام کی راہ سے روکنے کے لئے ہر طرح کے روڑے اٹکائے جانے لگے؛ لیکن یہ تمام چیزیں آپ

* ادارہ علم وعرفان، حیدرآباد، واستاذ حدیث دارالعلوم دیودرگ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کی قوتِ ایمانی اور ان کے دعوتی کاز کے لئے سدراہ نہ بن سکے؛ بلکہ ان چیزوں نے ان کی صلابتِ ایمان اور قوتِ ایقان کے لئے مہمیز کا کام کیا، کوئی حیلہ اور حربہ ایسا نہ تھا جس کو آزمایا نہ گیا ہو، تکلیفیں دی گئیں، راہوں میں کانٹے بچھائے گئے، مسلمانوں کا سماجی اور معاشی بائیکاٹ کیا گیا؛ لیکن بادِمخالف کے تیز وتند جھونکے ان کا بال بھی بیکا نہ کر سکے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قوت ایمانی کی صلابت اور اپنے کام کے تئیں کامل یقین کا یہ حال تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آخر کار کفار مکہ کی رکاوٹوں، ان کی تدبیروں کے مقابلے میں اپنے کاز سے ہرگز باز نہ آئے۔ جب کفار مکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی ان دھمکیوں کے ذریعے اس دعوت سے باز نہ رکھ سکے تو انہوں نے آپ کے لئے ترغیب کا انداز اختیار کرنے کا ارادہ کیا، چنانچہ اس دعوت کے کاز سے باز آنے پر سارے اموال، سیادت وقیادت، دنیا کی ہر مرغوب ومطلوب چیز کے ڈھیر آپ کے قدموں پر نچھاور کرنے کے لئے تیار ہو گئے، لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی اس پرکشش پیش کش کو نہایت حقارت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے فرمایا: ''اگر یہ لوگ میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند بھی لاکر رکھ دیں تو میں اس کام سے باز آنے والا نہیں'' (الوفاء بتعریف فضائل المصطفی: ۱/ ۱۳۴)

کفار مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ صلابت اور پختگی یہ صورت حال دیکھی تو ان کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا، تکلیف سہنے والوں کے مقابل تکلیف دینے والے ہاتھ تھک ہار گئے، چنانچہ انہوں نے بزعم خویش یہ فیصلہ کیا کہ ہم اس برائی کی جڑ کو جس نے ہم میں شوہر و بیوی، بھائی بھائی، باپ بیٹے کے درمیان پھوٹ ڈال رکھی ہے، نیز ہمارے معبودوں کا ٹھٹا کیا ہے، ان کی عیب جوئی اور دشنام طرازی کی ہے اور ہمارے نوجوانوں کو گمراہ کیا ہے، اس کا خاتمہ ہی کر دیں کہ ''نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری'' چنانچہ انہوں نے بہت مشورہ کے بعد یہ طئے کیا کہ (نعوذ باللہ) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہلاک کر دیں، اس طرح دیت وخون بہا تمام قبیلوں پر تقسیم ہو جائے گا، کسی سے بھی قصاص نہ لیا جا سکے گا، مجموعی طور پر سو اونٹ بطور دیت اور خون بہا کے دیئے جائیں''۔

چنانچہ کفار مکہ نے چند جنونی نوجوانوں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کے محاصرے پر آمادہ کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بحکم خداوندی اسی رات اپنے چچازاد بھائی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر لٹا کر ایک مٹھی مٹی لے کر باہر آئے، ان محاصرین پر اس مٹی کو چھڑک کر مدینہ کی راہ پر چلتے بنے، اس ایک مٹھی مٹی نے وہ جادو کا اثر کیا کہ ان کی آنکھیں چندھیا کر رہ گئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بحفاظت نکل جانے کا ان کو احساس تک نہ ہو سکا، اللہ عز وجل نے ان کی لاکھ تدبیروں کے مقابل اپنی تدبیر کو غالب اور کامیاب کر دیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رفیق سفر حضرت ابوبکرؓ کو ساتھ لئے ہوئے غار ثور جا کر پناہ گزیں ہو گئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ پتہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان کے ہاتھوں

نکل جانے کے بعد ان کو کسی پل چین نہ آسکے گا، چنانچہ کفار مکہ نے اندیشہ کے مطابق نہایت ماہر اور ذہین وفطین قیافہ شناسوں کو ہر طرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلاش وجستجو میں دوڑایا؛ چنانچہ وہ ماہر قیافہ شناس غار ثور کے بالکل دہانے پر پہنچ کر بھی آپ کا پتہ نہ لگا سکے، اللہ عزوجل نے اپنے غیبی خزانے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رفیق غار کی حفاظت کا بندوست ایسا کیا تھا کہ وہاں تک پہنچ کر بھی انہیں الٹے پاؤں واپس ہونا پڑا، کفار مکہ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ نہ لگنے کا یقین ہوگیا تو پھر بھی انہوں نے ہار نہیں مانی، انہوں نے آخر یہ اعلان کیا کہ ''جو شخص ''محمد'' کو زندہ یا مردہ لے آئے گا اُسے سو سرخ اونٹیں بطور انعام دیے جائیں گی، اس قیمتی انعام کا اعلان سنتے ہی سراقہ بن مالک بن جعشم نے اپنے گھوڑے کی مہمیز لگائی، اپنی تیر اور تلوار اٹھائے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تعاقب میں نکل پڑا، اسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھی اور رہنما نظر آئے، قریب تھا کہ وہ اس قافلے کو پالیتا، اس کے گھوڑے نے تین دفعہ ٹھوکر کھائی، ہر ٹھوکر پہلی ٹھوکر سے زیادہ سخت تھی، تیسری مرتبہ اس گھوڑے کے پیر مکمل طور پر ریت میں دھنس گئے، تب انہیں پتہ چلا کہ یہ لوگ مؤید من اللہ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی برحق ہیں، اسی وقت سراقہ بن جعشم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ سے معذرت کی اور کہا کہ: اگر تم مجھے یہ عہد و پیمان دو کہ اگر تم اللہ کے فضل سے کامیاب و کامراں لوٹ کر آؤ تو مجھ سے کسی قسم کا تعرض نہ کروگے تو میں کفار مکہ کو تمہاری راہ پر جانے سے روکوں گا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سراقہ کو یہ پروانہ عافیت عنایت فرمایا، آخر یہ نورانی قافلہ تین دن کا سفر طئے کرتے ہوئے قباء کے راستے مدینہ پہنچ گیا۔

واقعہ ہجرت کے سبق آموز پہلو:

اسلامی سالِ نو اور ہجرت کا یہ واقعہ ہر مرتبہ اپنی آمد کے موقع سے ہمیں اپنے ایمان وعقیدے کو مضبوط رکھنے، اپنے بنیادی اصول وضوابط کے ساتھ وابستگی، استقامت و پامردی کا درس دیتا ہے، خواہ اس راہ میں ہر طرح کی قربانیاں ہی کیوں نہ دینی پڑے، کس قدر اذیتوں اور تکالیف سے دوچار نہ کیا جائے، اپنی عزیز جان، پیاری اولاد، قیمتی مال واسباب سے کیوں نہ ہاتھ دھونا پڑے، اپنے عزیز وطن، مانوس ماحول، اپنی جائیداد واسباب، محبوب دوستوں، بچپن کے ہم جولیوں اور یہاں سے وابستہ اپنے قیمتی یادوں کو کیوں نہ ترک کرنا پڑے؛ بلکہ اپنے ایمان وعقیدے کے ساتھ وابستگی، لگاؤ اور عقیدت کی کیفیت اس قدر گہری ہو کہ اپنے متاع ایمان کو بچانے کے لئے حقائق اشیاء کا انکار کرنے کی نوبت آئے تو انکار کردے، خواہ دن کو رات کیوں نہ کہنا پڑے، کھڑے دن میں سورج کے وجود کو کیوں نہ جھٹلانے کی نوبت آئے، جسمانی ونفسیاتی ہر طرح کی اذیتوں اور تکالیف سے کیوں نہ دوچار کیا جائے۔

فی الجملہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو (جو روئے زمین پر انبیاء کے بعد سب سے زیادہ لائق تعظیم اور برگزیدہ شخصیات تھیں) جن مصائب اور اذیتوں سے انہیں دو چار کیا گیا، اس طرح کی تکالیف نہ اس سے پہلے کسی نے سہی اور نہ آئندہ اس طرح کے مصائب سے کسی کو نبرد آزما ہونے کی امید ہے، لیکن ہجرت نبوی کے بعد مصائب کی ان گھٹا ٹوپ اندھیروں سے خوش حالی وفارغ البالی کی وہ صبح روشن ہوئی کہ پھر یہ مسلمان طوفان وآندھی کی طرح دنیا کے افق پر چھا گئے، جنگلات، پہاڑوں، ریگزاروں اور دریاؤں اور سمندروں نے ان کی ایمان وایقان کی قوت کے سامنے اپنے راستے وا کردیئے، درندوں چرندوں نے انہیں رہ دیئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ دور وہ آیا کہ وہ آدھی دنیا کے حکمراں ٹھہرے، وقت کی سوپر پاور طاقتیں ان کے سامنے رام ہوگئیں، بتایا جاتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ کے دور خلافت میں فی روز ساٹھ کیلومیٹر کی رفتار سے اسلام پھیلتا تھا، یہ سب یوں کرہوا کہ مکی میں دورانہوں نے اپنے آپ کو مصائب کے بھٹیوں میں جھونک کر کندن بنایا، پھر دنیا نے ان کے سامنے ہر طرح کے خزانے اگلے، مسلمانوں کے لئے ایک دور وہ بھی آیا کہ زکاۃ اور صدقہ دینے کے لئے کوئی غریب نہ ملتا، ایک بوڑھیا صنعاء سے حضرت موت تک اپنے قیمتی جواہرات کے ساتھ تنِ تنہا سفر کرتی، راستے میں اس سے تعرض کرنے والا کوئی نہ ہوتا، یہ سب کیوں کیوں کر ہوا، یہ ایمان اور ایقان کی طاقت تھی جس نے عرب کے بدوں کو وقت کے سوپر پاور امپائر کے رہنما ورہبر بنایا، ظلم وستم کی آندھیاں چھٹ گئی، ہر طرف امن وامان کا بول بالا ہوگیا۔

مسلمان اس وقت ساری دنیا میں جو مصائب کی بھٹیوں میں جھونکا جارہا ہے، یہ کوئی ان کے حق میں نت نئی بات نہیں ہے، لیکن یہ صبر واستقامت کا وقت ہے، ہمیں ہجرت کے اس سفر سے یہ سبق ملتا ہے، ہمیں مصائب کی ان گھڑیوں میں صبر واستقامت سے کام لینا ہے، اپنے اصول وعقائد، اپنے ایمان وایمان سے ہرگز برگشتہ نہیں ہونا ہے، یہ ظالم طاقتیں، یہ جابر قوتیں اپنی ظاہری ساز وسامان اور اپنے ہتھیار اور عصری ٹیکنالوجی کے ذریعے ہمیں سرنگوں کرنے کی ہر ممکنہ کوشش کریں گی، لیکن ہم مسلمان اپنے عقائد واصول، اپنے ایمان وایقان سے ہرگز ٹس ومس ہونے والے نہیں، یہ ظالم طاقتیں ظلم وستم کی چکیوں میں ہمیں کیوں نہ پیس دیں، لیکن ہم ہرگز ہم کو اپنے اصول ونظریات سے ذرہ برابر پس وپیش نہیں ہونا ہے، کامیابی اور خوشحالی اور فارغ البالی کی راہیں ظلم کی ان خادار جھاڑیوں سے ہوکر آتی ہیں، اگر ہمیں کہیں ظلم وستم کو سہنا پڑرہا ہے، ہمیں امتحانات وآزمائشوں سے گذرا جارہا ہے، ہمیں قید وبند کی صعوبتوں سے دوچار کیا جارہا ہے، آگ میں جلایا، گولیوں سے بھنا جارہا ہے، اپنے وطن میں بے وطن کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، ''الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے'' کے مصداق اپنے سیاہ کارناموں پر

پردہ ڈالنے کے لئے ہمیں ''دہشت گرد''، ''دقیانوس''، ''قدامت پرست'' کہا جارہا ہے تو کوئی حرج نہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی جادوگر، مجنون، شاعر وغیرہ کے الفاظ سے ستایا گیا۔ اللہ عزوجل کا یہ ارشاد گرامی ہمارے لئے ان احوال میں مشعل راہ ہے ''وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ'' (الانفال: ۷) اللہ عزوجل یہ چاہتے ہیں کہ اپنے کلمات سے حق کو حق کر دکھائیں اور کافروں کی ہر تدبیر کا کاٹ کریں۔

سال نو اور ہجرت کے اس واقعہ سے ہمیں بہت سارے سبق ملتے ہیں کہ ہم مسلمانوں کو بہرصورت اس اللہ عزوجل کی ذات پر جس کی ملکیت میں آسمانوں اور زمینوں کی بادشاہت ہے، اپنی یہ بادشاہت جس کو چاہے دیتا ہے اور جس سے چاہے چھین لیتا ہے، جس کو چاہے عزت سے نوازتا ہے اور جسے چاہے ذلیل وخوار کرتا ہے اور اس کے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس کا دین اسلام جسے اُس نے ہمیشہ ہمیش کے لئے اپنا پسندیدہ دین بنا کر رکھا ہے، ہمارے لئے بہترین نمونہ ہے، وہ سچا، برحق وامانت دار نبی جس کو لڑکپن ہی سے پاکیزگی وطہارت کا تمغہ امتیاز خود اس کے جانی دشمنوں نے دیا، اسے اس راہ میں اس قسم کی تکالیف سے دوچار کیا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ اصحاب جو انبیاء کے بعد روئے زمین کی سب سے برگزیدہ، لائق تقلید شخصیات ہیں ان کو اس طرح کے انواع واقسام کی اذیتوں سے دوچار کیا گیا تو ہم مسلمانوں کی کیا حالت ہوگی جو عفت و پاکیزگی، تقویٰ وطہارت قوت ایمانی اور حسن عمل میں ان کے عشر عشیر کو بھی نہیں پہنچتے۔

(۱) سال نو اور واقعہ ہجرت سے سب سے پہلا سبق ہمیں یہ ملتا ہے ہم مسلمانوں کو ہر طرح کے مصائب کے باوصف اپنے اسلام، اپنے ایمان وعقیدے پر ثابت وقائم رہنا ہے، خواہ ہمیں اس راہ میں کس قدر مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے، کامیابی وکامرانی اور منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے مسافرت کی تکان اور مشقتوں کو انگیز کرنا ہی پڑتا ہے، یہ روئے زمین پر اللہ عزوجل کی سنت ہے جس میں کوئی تبدیلی اور تغیر واقع نہیں ہوسکتا۔

(۲) ہجرت کے اس واقعہ سے دوسرا سبق یہ ملتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ پہنچنے پر سب سے پہلا عمل مسجد نبوی کی تعمیر کے بعد جو کیا وہ مواخاۃ اور بھائی چارہ کا عمل تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے درمیان اسلام کی بنیاد پر اخوت قائم کی، آج بھی ہمیں اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ ہم ہر مسلمان کو اپنا اسلامی بھائی تصور کریں، انفرادی، علاقائی، ملکی وبین الاقوامی ہر سطح پر مسلمانوں کی مدد ونصرت اور ان کے مصائب میں کام آنا ایک مومن کا شیوہ اور جز وایمان ہو۔

(۳) اسی طرح حدیث کے بموجب ہجرت کا اطلاق جہاں ایک وطن چھوڑ کر دوسرے وطن کو اختیار کرنے پر ہوتا ہے جہاں سکون کے ساتھ اپنے اعمال کو انجام دیا جاسکتا ہے۔۔۔۔ (بقیہ صفحہ ۳۷ پر)

لمحہ فکریہ

مدرز ملک بینک ایک نئی مغربی لعنت کی آہٹ

از: حضرت مولانا سید احمد ومیض ندوی زید مجدہٗ*

مغربی تہذیب کی ظاہری چمک دمک سے عام طور پر لوگ مرعوب ہو جاتے ہیں؛ لیکن لوگوں کی نگاہ اس کے کھوکلے پن کی طرف نہیں جاتی؛ مغربی تہذیب کا ظاہر جس قدر دلفریب اور پر کشش ہے اس کا باطن اتنا ہی سیاہ اور اندر سے کھوکھلا ہے؛ اس وقت مغرب اپنے مادی اور عسکری غلبے کے سبب ساری دنیا پر اپنا دھونس جما رہا ہے لیکن وہ جس تہذیب کا علمبردار ہے ایک دن اس کی تہذیب خود اسے لے ڈوبے گی؛ مغربی تہذیب کا سب سے تاریک پہلو اس کا ٹوٹتا بکھرتا خاندانی نظام ہے؛ مغرب میں خاندانی نظام کا یہ بکھراؤ آخر کار اسے ضرور شکست وریخت سے دوچار کر کے رکھ دے گا؛ خاندانی نظام کو کھوکھلا کرنے میں بنیادی کردار آزادی نسواں کی تحریک کر رہا ہے؛ اس تحریک کا آغاز مردوں ہی نے کیا؛ سب سے پہلے مرد وزن کے مکمل مساوات کا نعرہ دینے والا شخص برطانیہ کا جریمی بنتھم (۱۷۹۱) تھا اس کی بنیاد پر یہ تصور ذہنوں میں بٹھایا گیا کہ انسان مکمل آزاد ہے؛ وہ ہر قسم کے خیالات افعال وحرکات اپنا سکتا ہے؛ تحریک نسواں میں خواتین کو مکمل آزادی دینے سے قبل یہ نعرہ دیا گیا کہ مرد وزن برابر ہیں؛ صنعتی انقلاب کے بعد جب عورتوں کو گھروں سے باہر نکلنا پڑا تو 18 ویں صدی میں شہروں سے دیہاتوں کی جانب ہجرت کو درست قرار دینے کے لیے مساوات مرد وزن کا نعرہ نہایت مفید ثابت ہوا؛ 1990 میں queer theory متعارف ہوئی؛ جس کے ذریعے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ جنس مخالف کی کشش کوئی فطری جذبہ نہیں محض انسان کا فطری ہیجان اور بھوک ہے؛ جو انسانی جسم میں موجود حسی جذبات ابھارنے والی مشنری ہر دم تیار کرتی رہتی ہے؛ اس کو تسکین پہنچانے کے لیے جنس مخالف ہی کیوں لازم ہو اس کے لیے کوئی بھی ہم جنس پرستی کی راہ اپنائی جا سکتی ہے؛ چنانچہ اس نظریے پر مبنی عملی معاشرے کے قیام کے لیے مغربی دنیا میں تقریبا ہر ملک میں قانون سازی ہو رہی ہے تحریک نسواں کی تیسری لہر میں عورتوں کے کردار حیثیت اور جنسی رویوں کے متعلق بڑی انقلابی تبدیلیاں آچکی ہیں؛ اس عہد میں خاندان کی حیثیت وہ نہیں رہی جو

* استاد حدیث دارالعلوم حیدرآباد

کچھ عشرے قبل معروف تھی؛ عورتوں میں امتیازی جنسی رویوں کے خلاف وسیع پیمانے میں ردعمل اور احتجاج سامنے آیا؛ اخلاقیات تو قصہ پارینہ بن چکے تھے: اب عورتوں نے شادی کے ادارے ہی کے خلاف آواز بلند کر دی اور کہا کہ یہ ادارہ عورتوں کو غلام بنانے کا ایک آلہ ہے؛ شادی؛ بچوں کی پیدائش اور پرورش سے ہی عورتیں مردوں کی غلام بنتی ہیں؛ چنانچہ شادی کے بغیر ناجائز بچوں کی پیدائش اور پرورش کی حوصلہ افزائی کی جانے لگی؛ deankoontz ایک ناجائز اولاد کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے: برخوردار! تمہیں خوش ہونا چاہیے کہ تم ایک ناجائز اولاد ہو؛ کیونکہ اس کا مطلب ہے کہ تم آزاد ہو؛ حرامی بچوں کے اتنے رشتہ دار نہیں ہوتے جو جونکوں کی طرح ان کی روحوں کو چوس لیتے ہوں؛ پہلے مرحلے میں تو یہی کچھ ہوسکتا تھا؛ اگلے مرحلے میں بچوں سے گلوخلاصی کی تدبیریں سوچی جانے لگی؛ 1970 میں فائرسٹون نے اپنی کتاب thedialecticsofsex میں لکھا کہ تحریک نسواں میں یہ خیال پایا جاتا ہے کہ عورتوں کے بارے میں غیر مساویانہ رویہ دراصل ان کے بچے پیدا کرنے کی صلاحیت کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے کیونکہ اسی وجہ سے وہ مردوں کے ماتحت زندگی گزارنے پر مجبور ہوتی ہیں؛ مردوں کے برابر رتبہ حاصل کرنے کا بس ایک ہی علاج ہے کہ ٹیسٹ ٹیوب بے بی کا سہارا لیا جائے؛ اس کے خیال میں شادی اور خاندان کا ادارہ عورت کو محکوم بنانے کی مردانہ سازش تھی؛ اس سازش کے خلاف جنگ یوں جیتی جاسکتی تھی کہ عورت بیوی اور ماں بننے کے لیے ازدواجی حدود یکسر مسترد کردے؛ اور ایک نعرہ بلند ہو کہ عورت کا جسم اس کی اپنی ملکیت ہے جس پر کسی دوسرے کا کوئی اختیار نہیں؛ مردوں کے لیے یہ امر خوش کن تھا؛ عورت اور مرد دونوں اپنے گمان میں مسرور اور مطمئن ہو گئے؛ مشہور فیمینسٹ مصنفہ شیلا کرونن لکھتی ہے کہ شادی عورتوں کے لیے غلامی کے ہم معنی ہے؛ اس لیے عورتوں کی تحریک نسواں کو شادی کے اداروں پر حملے کو مرکزی اہمیت دینا چاہیے؛ چنانچہ شادی شدہ عورتوں کو طلاق پر ابھارنے کے لیے بڑے بڑے فلسفے سامنے لائے گئے؛ طلاق کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے میل کرانٹز یلر نے لکھا: طلاق دے کر خدا حافظ کہہ کر رخصت کر دینا دراصل ایک نئی نسبتا آزاد اور خود اعتمادوالی زندگی کو خوش آمدید کہنا ہے؛ تمہاری یہ طلاق تمہاری زندگی کی بہترین چیز ہوسکتی ہے؛ ایک مغربی مفکر نے اپنی کتاب میں تحریک نسواں کے علمبرداروں کا یہ جملہ نقل کیا ہے کہ ہم ایک ذات پات پر مبنی معاشرے کے تینوں ستون خاندان؛ نجی ملکیت اور ریاست کو تباہ کرنا چاہتے ہیں؛ عورتوں کو مکمل آزادی دلانے کے لیے ان کو یہ احساس دلانا ضروری تھا جس کے لیے یہ فلسفہ گڑھا گیا تھا کہ عورتیں اپنے جسم کی خود مالک ہیں اور مردوں کو کنٹرول کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے جسم کو استعمال کریں؛ ایک رپورٹ میں کہا گیا کہ نوجوان عورتوں کو اپنے جنسی تجربات کرنے پر آمادہ کرنے کا راستہ یہ ہے کہ

انہیں یہ احساس دلایا جائے کہ وہ اپنے جسم کا کنٹرول خود حاصل کر رہی ہیں؛ اس طرح 1960 اور 1970 میں مساوات مرد وزن سے آگے بڑھ کر تحریک نسواں کے مقاصد لبرل ازم کی برکات سے اپنے منطقی نتائج کی طرف آگے بڑھتے ہی گئے؛ عورتوں نے یہ نام نہاد آزادی کس قیمت پر حاصل کی؟ غالباً ابھی سوچنے کا موقع نہیں آیا؛ خاندان کی تباہی کے بعد عورتیں نہ گھر کی رہی نہ باہر کی؛ افزائش نسل کے لیے عورتوں کا کردار سامنے آتے ہی ان کی ماتحتی اور غلامی کا تصور بھی سامنے آتا ہے؛ لہذا عورتوں کو اس ساری جھنجھٹ سے نکالنے کے لیے پہلے مرحلے میں اسقاط حمل کو قانونی جواز عطا کیا گیا؛ عورتیں جب اپنے جسم کی خود مالک ہیں تو انہیں مکمل حقوق حاصل ہیں؛ پھر ان کی مرضی کے خلاف ان کا جسم استعمال کرنے کا حق کس طرح دیا جا سکتا ہے؛ یعنی ماں کی مرضی کے خلاف اس کے جسم میں پرورش پانے والے بچے کا کوئی حق ہو ہی نہیں سکتا؛ لہذا ماں جب چاہے اس سے نجات حاصل کر سکتی ہے؛ وہ اپنا جسم کسی کو استعمال کرنے کیوں دے تاہم اگر کبھی اس کو بچے کی خواہش پیدا ہو جائے تو کرائے کی ماں کا تصور دے کر ایک حل نکال لیا گیا جسے common surrogacy کے نام سے موسوم کیا گیا؛ پہلے مرحلے میں مرد؛ بچوں اور خاندان سے یوں گلوخلاصی کے بعد اگلا قدم مردوں سے مکمل نجات تھا؛ چنانچہ عورت کی عورت سے شادی کا تصور اجاگر کیا گیا؛ اس کے بعد مغربی سرمایہ دار کا بے قید و بند لبرل معاشرہ آزاد منڈی کے ذریعے مصنوعی آلات جنسی تسکین کے لیے سامنے لے آیا تاکہ کسی بھی شادی کے جھنجھٹ سے جان بچائی جا سکے۔

(تلخیص از مضمون انور عباسی الحاد ڈاٹ کام 22 ستمبر 2023)

اس پوری تفصیل کا مقصد یہ بتانا ہے کہ مغرب کا خاندانی نظام کس طرح تباہی سے دوچار ہو گیا ہے: شادی کا ادارہ ختم کر کے ہم جنس پرستی کو جواز فراہم کیا گیا؛ عورتوں کو طلاق کا اختیار دے کر رہی سہی شادی کی شرح کو بھی محدود سے محدود کر دیا گیا؛ اب مغربی ملکوں میں شادی کی شرح میں آئے دن کمی ہوتی جا رہی ہے؛ وہاں بغیر شادی کے اکٹھے رہنے کا عام رواج ہے؛ ناجائز اولاد کی ایک فوج تیار ہو رہی ہے؛ اس طرح خاندان تباہ و تاراج ہوتا جا رہا ہے؛ جبکہ انسانی معاشرے کے لیے خاندان ایک ناگزیر ضرورت ہے؛ اور خاندان کی تشکیل کے لیے شادی کا نظام ناگزیر ہے؛ نیز نسل انسانی کی بقا کے لیے نسب کی حفاظت اور رشتہ مناکحت میں منسلک ہو کر اولاد کا تسلسل ضروری ہے؛ مغربی مفکر جارج پیٹر مرڈاک نے خاندان کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ خاندان وہ معاشرتی گروہ ہے جس میں مشترکہ سکونت؛ معاشی تعاون اور تولید کی خصوصیات ہوں؛ اس میں دو مختلف جنس ہوں جن میں معاشرے کے منظور کردہ طریقے کے مطابق باہم جنسی تعلقات قائم ہوں اور ایک یا ایک سے زائد بچے جو ان کے اپنے یا گود لیے گئے ہوں اور وہ اکٹھے رہتے ہوں؛ مغربی ملکوں میں مفرد مورث خاندان

singleparentfamily یعنی ایسا خاندان جس میں دوسرا شریک حیات نہ ہو عام ہو رہا ہے اس قسم کے خاندان کے رواج کی وجہ جہاں طلاق کی کثرت ہے وہیں مصنوعی حمل ہے جس میں فرد واحد ماں یا باپ بچوں کی کفالت کرتا ہے؛ امریکہ میں شادی شدہ والدین کے مقابلے میں واحد مائیں پانچ گنا زیادہ غریب ہیں؛ 2017 کی امریکی مردم شماری رپورٹ کے مطابق 12 ملین مفرد موروث خاندانوں میں سے چار ملین ایسے مفرد موروث خاندان ہیں؛ جہاں 80 فیصد 18 سال سے کم عمر بچے ہیں؛ اسی طرح گھریلو شراکت داری خاندان کا بھی خوب رواج ہے؛ جس کا مطلب شادی کے بغیر مرد عورت کا گھریلو زندگی گزارنا ہے؛ اس کے علاوہ مغرب میں ایک اور اصطلاح استعمال ہوتی ہے جسے ہم خانگی کہتے ہیں؛ اس میں دو افراد کے درمیان محبت جنسی تعلقات ہوتے ہیں اور یہ تعلقات مختصر یا لمبے عرصے کے لیے ہو سکتے ہیں؛ مغربی ملکوں میں ہم خانگی بہت عام ہو رہی ہے؛ امریکہ میں یہ رجحان تیزی سے بڑھ رہا ہے؛ یہاں شادی شدہ دو تہائی جوڑوں کا یہ کہنا ہے کہ شادی سے قبل بھی اکٹھا رہتے تھے۔ مغربی تہذیب کی یہ وہ لعنتیں ہیں جو انسانی وجود کے لیے سراسر تباہی کا سامان ہیں؛ خاندانی ادارے کا بکھراؤ دراصل انسانیت کے لیے سنگین خطرہ ہے؛ مغربی تہذیب کے علمبرداروں کی خواہش ہے کہ وہ اپنی انسانیت کو تباہ کرنے والی ان لعنتوں کو عالم اسلام میں بھی عام کریں؛ عالم اسلام مغرب کا اولین نشانہ ہے؛ جس طرح مغرب میں خاندانی تصور رو بہ زوال ہے؛ رشتے ناطے بے معنی ہو کر رہ گئے ہیں؛ اہل مغرب چاہتے ہیں کہ اسی طرح عالم اسلام کے مسلم معاشرے بھی خاندانی بکھراؤ سے دوچار ہو جائیں؛ اباحیت پسندی؛ نکاح کے بغیر جنسی تعلقات اور ہم جنس پرستی جیسی لعنتوں کی وجہ سے آج مغربی معاشرہ اگر تباہی کے دہانے پر کھڑا ہے تو وہیں ناجائز اولاد کی تعداد میں بھی آئے دن اضافہ ہو رہا ہے؛ ہزاروں کی تعداد میں ایسے بچے ہیں جن کے ماں باپ کا پتہ نہیں۔ ویسے مغرب اور مغربی تہذیب کی بہت ساری لعنتیں مشرق اور عالم اسلام میں عام ہو رہی ہیں؛ لیکن حالیہ دنوں میں ایک نئی مغربی لعنت کے آہٹ سنائی دے رہی ہے؛ جس سے معاشرے میں تشویش کی لہر دوڑ گئی ہے؛ پاکستان کے کراچی شہر کے تعلق سے یہ خبر سننے میں آئی کہ وہاں اقوام متحدہ کا ذیلی ادارہ یونیسیف مدرز ملک بینک قائم کرنے جا رہا ہے؛ یعنی کراچی میں خواتین کے دودھ کا بینک قائم ہوگا؛ جہاں ماؤں کا دودھ ذخیرہ کیا جائے گا؛ اور اسے بچوں کے لیے فراہم کیا جائے گا؛ مشرقی معاشروں میں پیسوں کے بینک ہی متعارف ہیں لیکن اہل مغرب کے یہاں بینکوں کا دائرہ کافی وسیع ہے؛ یورپ میں چار قسم کے بینک ہوتے ہیں ۱۔ پیسوں کے بینک ۲۔ مردوں کی منی کے بینک ۳۔ انسانی اعضاء کے بینک ۴۔ عورتوں کے دودھ کے بینک. مردوں کی منی کے بینک پر روشنی ڈالتے ہوئے پڑوسی ملک کے کالم نگار انور غازی لکھتے ہیں: اس کی تفصیلات سے پہلے پس منظر

کے طور پر یاد رکھیں کہ سوالبارڈ svalbard ایک جزیرہ ہے؛ یہ نارتھ پول اور ناروے کے بیچ میں واقع ہے؛ دنیا کا سب سے سرد علاقہ ہے؛ اس کا درجہ حرارت ہمیشہ منفی ڈگری سینٹی گریڈ رہتا ہے؛ اس میں والٹ یعنی حفاظتی تہ خانہ کو ایک پہاڑ میں تقریبا 400 فٹ اندر لمبی سرنگ کھود کر بنایا گیا ہے؛ یہ والٹ سمندر کی سطح سے 130 میٹر بلند ہے؛ کسی بھی سمندری آفت یا سطح سمندر کے بڑھنے کے خطرات سے محفوظ رہے گا؛ اس میں تین والٹس بنائے گئے جن میں 15 لاکھ بیجوں کے سمپلز فی والٹ رکھے جاسکتے ہیں؛ مجموعی طور پر 45 لاکھ نمونے رکھے جاسکتے ہیں؛ یہاں کا درجہ حرارت منفی 18 ڈگری رکھا جائے گا جو ان دیجوں کے عرصہ دراز تک حفاظت کے لیے ضروری ہے؛ 19 جون 2006 میں اس گلوبل سیڈ والٹ کا سنگ بنیاد ناروے؛ سویڈن؛ فنلینڈ؛ ڈنمارک اور آئیلینڈ کے وزرائے اعظم نے رکھا تھا؛ اس کو ناروے حکومت نے آٹھ ملین ڈالر کی خطیر رقم سے تعمیر کیا ہے؛ 26 فروری 2008 کو اسے مکمل کرلیا گیا؛ ایک تحقیقی رپورٹ کے مطابق اس وقت دنیا میں 60 لاکھ مختلف اقسام کے بیج مختلف ملکوں کے جینیز بینکوں میں محفوظ ہیں؛ لیکن یہ تمام قدرتی آفات اور نیوکلیئر جیسے خطرات سے بچے ہوئے نہیں؛ جس کے باعث ان کی بقا یقینی نہیں؛ ان خطرات کے پیش نظر سائنسدانوں کی ایک کمیٹی اس بات پر متفق ہوئی کہ ہمیں اب اس بنیادی ضرورت کی حفاظت اور بقا کے لیے کرۂ ارض پر بدترین صورتحال کو ذہن میں رکھتے ہوئے جس میں کوئی بہت بڑی قدرتی آفت کی وجہ سے یا نیوکلیئر وار کی وجہ سے کسی ملک یا خطے کی زمینی پیداواری صلاحیت کا یکسر ختم ہوجانا؛ کوئی خاص بیج کی نسل کا دنیا سے یکسر ختم ہوجانا جیسے خطرات کو سامنے رکھتے ہوئے کوئی انتہائی جدید اور محفوظ انتظام کرنا ہوگا؛ اس سلسلے میں انہوں نے گلوبل سیڈ والٹ پر کام شروع کیا اور ایک مکمل رپورٹ تیار کی؛ جس کی منظوری کے بعد کام شروع کر دیا گیا؛ اس وقت یہ مرکز فعال ہو چکا ہے؛ اس صدی میں ایٹمی دوڑ کی وجہ سے فطرتی نظام بری طرح مجروح ہوا ہے؛ فضا اس قدر آلودہ ہے کہ ماہرین فلکیات و ارضیات کے مطابق آئندہ سالوں میں شدید گرمی؛ حبس اور سردی ہوگی؛ دنیا تیزی سے اپنے منطقی انجام کی طرف جارہی ہے؛ اس بات پر سب متفق ہیں؛ اگر اب تیسری عالمی جنگ جو کہ ایٹمی جنگ ہوگی چھڑ گئی تو اتنی تباہی آئے گی کہ شاید نوح علیہ السلام کے دور کی طرح پوری دنیا ختم ہو کر رہ جائے؛ کئی ممالک؛ قومیں اور نسلیں ختم ہونے کا قوی اندیشہ ہے؛ اسی کے پیش نظر یورپی ممالک میں کئی حفاظتی اقدامات کیے گئے ہیں؛ یورپی اور امریکی سائنسدانوں نے جہاں ہر ہر چیز کے بیجوں کو جمع کیا ہے وہاں جانور کے نطفے بھی جمع کیے ہیں؛ جبکہ انسانوں کی نسل کو محفوظ کرنے کے لیے منی کے بینک بنا ڈالے ہیں؛ کئی مشہور مردوں کی منی لے کر اسپرم محفوظ کرائے جاتے ہیں؛ ان کے ہاں چونکہ حرام حلال اور جائز و ناجائز کا فرق مٹ چکا ہے؛ اس لیے کئی خواتین ان بینکوں سے اسپرم حاصل

کر کے مصنوعی طریقے سے حمل ٹھہرالیتی ہیں؛ (روزنامہ اسلام 27 جون 2024)

جس طرح مردوں کے منی بینک نسل انسانی اور خاندان ونسب کے لیے تباہ کن ہیں اسی طرح مدرز ملک بینک بھی خاندانی نظام کو درہم برہم کرنے والے ہیں؛ ظاہر ہے کسی بھی خاتون کا دودھ کا شیر خوار بچے کے لیے استعمال حرمت رضاعت ثابت کرتا ہے؛ ایسے میں جب اس قسم کے بینکوں سے لوگ دودھ خرید کرا پنے نوزائدہ بچوں کو پلائیں گے تو پتہ نہیں چل پائے گا کہ کس عورت کا دودھ پلایا گیا اور کن کن رشتوں میں حرمت رضاعت ثابت ہوئی؛ حرمت رضاعت کے تعلق سے قرآن مجید میں واضح ارشاد ہے: وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ (النساء:۲۳) یعنی تم پر تمہاری وہ مائیں حرام ہیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے اور تمہاری رضاعی بہنیں؛ حدیث شریف میں ارشاد ہے: یحرم من الرضاعه ما یحرم من النسب جو رشتے نسب سے حرام ہوتے ہیں وہ رشتے رضاعت سے بھی حرام ہوتے ہیں؛ مدرز ملک بینک کا اقدام اہل مغرب انسانی ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبے کے تحت کرتے ہیں لیکن انسانی خیر خواہی کے تحت کیا جانے والا ہر عمل نتائج کے اعتبار سے درست ہونا ضروری نہیں؛ اس قسم کا اقدام خدا تعالیٰ کے حرمت رضاعت کے حکم کے منافی اور علانیہ بغاوت ہے؛ یہ تو اچھا ہوا کہ شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ اور دیگر علماء کرام کے سخت موقف کے بعد یونی سیف نے اپنا ارادہ ترک کر دیا ورنہ اگر یہ بینک قائم رہتا اور اس سے بچے دودھ پیتے پھر جب برسوں بعد ان کی شادیوں کا مرحلہ آتا تو پتہ ہی نہ چلتا کہ انہوں نے کس بینک سے دودھ پیا تھا اور وہ کس خاتون کا تھا؛ ظاہر ہے ایسے بینکوں میں مختلف خواتین کا دودھ اسٹاک کرایا جاتا ہے؛ اور پینے والے بچوں کے ذمہ داروں کو علم ہی نہیں ہوتا؛ ایسے بچوں کی شادیوں کے بعد جو اولاد ہوگی اس کے حلال وحرام کا تعین کرنا مشکل ہوجاتا؛ فقہاء کرام کے درمیان مدت رضاعت کے تعلق سے تو اختلاف ہے لیکن رضاعت کی بنا پر نکاح کے حرام ہونے اور رضاعی بہن بھائی کے محرم بن جانے میں کسی کا اختلاف نہیں؛ امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے نزدیک رضاعت میں دودھ کی مقدار کم ہو یا زیادہ رضاعت ثابت ہوجاتی ہے جبکہ امام شافعی اور امام احمد ابن حنبل کے نزدیک حرمت کے ثبوت کے لیے کم از کم پانچ رضعات ضروری ہیں؛ مختلف خواتین کا دودھ ایک جگہ جمع کر کے اسے خلط ملط کرنا پھر اسے بچوں کو اس طرح پلانا کہ دودھ والی خاتون کی تعیین نہ ہو سراسر خطرے کی چیز ہے؛ کل کو ہوسکتا ہے کہ رضاعی بھائی اپنی رضاعی بہن سے نکاح کر لے یا اپنی رضاعی خالہ اور رضاعی پھوپھی سے نکاح کر بیٹھے؛ علاوہ ازیں اس قسم کے بینک کا ایک نقصان یہ بھی ہے کہ غریب خواتین دودھ کی تجارت کرنے لگیں گی وہ اپنا دودھ اپنے بچوں کو پلانے کے بجائے امراء کے بچوں کو مہیا کرنا شروع کر دیں گی جس سے ان کے بچوں کی

صحت پر منفی اثرات پڑیں گے۔ جہاں تک یورپ میں اس قسم کے مدرز ملک بینک کے آغاز اور اس کے پس منظر کا تعلق ہے تو قصہ یوں پیش آیا کہ ویانا یونیورسٹی کے تھیوڈور ایسچرچ نے 1902 سے 1911 تک غذائیت کے مختلف ذرائع اور نوزائدہ بچوں پر ان کے اثرات کی تحقیق کی؛ اس کے مطالعے سے پتہ چلا کہ دودھ پلائے جانے والے نوزائدہ کے ہاتھوں کے بیکٹیریا دوسرے طریقے سے کھلائے جانے والے نوزائدہ بچوں کے مقابلے میں نمایاں طور پر مختلف تھے؛ اسی کو مدنظر رکھتے ہوئے 1909 میں اس چرچ نے پہلا انسانی دودھ بینک کھولا ؛1910 میں بوسٹن فلوٹنگ اسپتال میں ایک اور دودھ بینک کھولا گیا جو امریکہ میں پہلا دودھ بینک ہے؛ 1980 کی دہائی تک یہ سلسلہ جاری رہا؛ جبکہ ایچ آئی وی کی منتقلی کے خوف کی وجہ سے بہت سے بینک بند ہو گئے؛ بعدازاں باقاعدہ طور پر 2005 میں انٹرنیشنل ملک بینکنگ انیشٹو imbi کی بنیاد رکھی گئی؛ اس میں 33 ممالک کی فہرست دی گئی ہے؛ جن میں دودھ کے بینک پروگرام ہیں؛ اس وقت بھارت میں اس طرح کے آٹھ بینک ہیں جن میں بمبئی میں چار اور پونے حیدرآباد اور وڈوڑا میں ایک ایک بینک شامل ہے؛ دیویا مدرز ملک بینک شمالی ہندوستان میں اس طرح کا پہلا ملک بینک ہے؛ یورپ میں انسانی اعضاء کے بینک بھی قائم کیے گئے ہیں؛ آنکھوں کا بینک؛ جلد کا بینک سیمن بینک؛ وغیرہ؛ اس کے بعد ٹیسٹ ٹیوب بے بی؛ تبدیلی جنس بذریعہ سرجری اور جینیٹک کی تبدیلی کو اپنایا گیا؛ مغربی تہذیب اپنا بیڑا اغرق کرنے کے بعد اب مسلم ممالک کو لپیٹ میں لینے کے لیے تیار بیٹھی ہے؛ ٹیسٹ ٹیوب بے بی؛ جنسی تبدیلی اور جینیٹک کے بعد اب مسلمانوں میں بھائی بہن کی تمیز ختم کرنے کے لیے مدرز ملک بینک کی بنیاد رکھی جا رہی ہے۔ (روزنامہ اسلام 24 جون 2024)

(بقیہ صفحہ ۳۰ سے)

اسی طرح ہجرت اسے بھی کہتے ہیں کہ ہمیں ہم اللہ عزوجل کے ماموارت کو اپنا کر اس کے منہیات کو ترک کرنے والے بن جائیں، چونکہ حدیث میں یوں بھی آیا ہے کہ: مہاجر وہ ہے جو منہیات ربانی سے ہجرت (رک جائے) کر جائے۔ (شعب الایمان:: ۱۱۱۲۲)۔ لہٰذا مسلمانوں کو اس وقت سخت ضرورت اس بات ہے کہ کہ وہ شہوات سے طاعات، بخالت سے سخاوت، خیانت سے امانت، جھوٹ سے سچائی، باطل سے حق، قساوت سے رحمت، شر سے خیر، فساد سے صلاح، کمزوری سے ثبات، رذالت سے فضالت، ذلت سے عزت، اختلاف سے اتحاد، ریا سے اخلاص، ضعف ارادی سے قوت ارادی، لوگوں کے ڈر سے اللہ کے ڈر کے جانب عود کر آئیں۔ یہی ہجرت کا سبق ہے۔

افاداتِ اکابر

اشرف المجالس

ترتیب وپیش کش: مفتی محمد احمد علی صاحب قاسمی*

اصل چیز اتباع سنت وشریعت ہے نہ کہ مواجید وکیفیات

ارشاد فرمایا: سید محمد جون پوری ایک بڑے عالم تھے، ان کے دور کے علماء نے انہیں ''اسد العلماء'' کا خطاب دیا تھا، بہت جری اور بہادر عالم تھے؛ لیکن سلوک میں ''مقام مہدیت'' پر دھوکہ کھا گئے اور انا المھدی کا دعویٰ کر بیٹھے، وہاں سے زوال شروع ہوا، اور آج اس غلطی کے نتیجے میں لکھوکھا مسلمان گمراہ ہو چکے ہیں، مطلب یہ ہے کہ اس معاملے میں بڑے بڑوں سے غلطیاں ہوجاتی ہیں۔ اسی لئے حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ سالکین کو مقامات اور مواجید وکیفیات میں الجھنے نہیں دیتے تھے، کیوں کہ اس میں جو الجھتے ہیں وہ عبدیت سے دور ہوجاتے ہیں، اُن میں استکبار اور اپنے کچھ ہونے کا احساس پیدا ہوجاتا ہے، اس لیے یہ مواجید وکیفیات وغیرہ اگرچہ اپنی جگہ معتبر چیزیں ہیں اور یہ چیزیں حاصل ہوسکتی ہیں لیکن سالک کا کیفیات کے پیچھے پڑا رہنا اس کو حضرتؒ غیر ضروری سمجھتے تھے؛ اس لیے کہ بندے کیفیات ومواجید کے مکلف نہیں، بل کہ اتباع شریعت کے مکلف ہیں، اصل چیز اتباع ہے، یہ کیفیات ملیں نہ ملیں کوئی حرج نہیں ہے، نہ ملیں تو غم نہیں اور ملیں تو کوئی شرف نہیں، اور اگر مل کے چھن جائیں تو بھی کوئی غم نہیں۔

بعض سالکین اطلاع کرتے ہیں کہ دعا میں کوئی کیفیت پیدا نہیں ہورہی ہے، نماز میں جی نہیں لگ رہا ہے، یہ کیا ہے؟ کیفیات کے لیے بندگی کررہے ہیں یا محض اس لئے تعمیلِ حکم کررہے ہیں کہ مالک کا ارشاد ہے؟ جی لگے یا نہ لگے کام کرتے رہنا چاہیئے، مثلاً ایک مزدور کو بخار ہے، طبیعت اندر سے ناساز ہے، اس مزدور کو اس کے آقا نے کوئی کام بتلایا وہ اس کام میں لگا ہوا ہے تو کیا اس کا جی اس میں لگ رہا ہے؟ اس کا جی نہیں لگ رہا ہے، لیکن کام اصول اور قاعدے کے مطابق کرتے چلے جارہا ہے، کیوں؟ اس لیے کہ جی لگے یا نہ لگے، کام تو کرنا ہے، ایسے ہی بندگی اور احکاماتِ شرعیہ کی تعمیل ہنسی خوشی کرتے رہنا چاہیے، کبھی جی لگتا ہے تو لگے کبھی جی نہیں لگتا ہے تو نہ لگے۔

کیفیات ومواجید کا تعلق کس سے ہے

فرمایا کہ: کیفیات ومواجید کا تعلق خارجی امور سے بھی ہوتا ہے، کبھی ذہن میں مختلف افکار ہوتے ہیں، ذہن مشوش رہتا ہے، مسائل کا بوجھ رہتا ہے، یہ صورتِ حال بھی کیفیات سے ہم کو دور کر دیتی ہے، اس کو ''قبض'' کہتے ہیں، اس کے مقابلے میں ''بسط'' ہوتا ہے، بسط کے معنی ہیں کُھلنا، پھیلنا اور قبض کے معنی ہیں سکڑ جانا، جمع ہو جانا، دل کبھی سکڑا ہوا ہوتا ہے اور کبھی کھلا ہوا ہوتا ہے، جب دل کو اس کی پسند اور چاہت ملتی ہے تو وہ کھل جاتا ہے اور دل کا کھل جانا یہ بسط ہے، اور دل کو اس کی پسند اور چاہت نہیں ملتی تو یہ سکڑ جاتا ہے، یہ قبض ہے، کیفیات کا تعلق ''قبض وبسط'' سے ہے۔ ہمیں کیفیات سے کیا لینا دینا ہے؟ اصل چیز ہنسی خوشی تعمیل حکم ہے، طبعاً چاہے کتنی بھی گرانی ہو، لیکن عقلاً خوش ہو کہ میں اپنا کام اس لئے کر رہا ہوں کہ میرا مولیٰ خوش ہوگا، مجھے اجر ملے گا، ہر وقت اسی فکر میں رہو کہ اِس وقت اللہ کا کیا حکم ہے؟ اس وقت اللہ کا کیا حکم ہے بس! اور سنت کو جاننا ہے کہ یہ کام مسنون کیسے ہے، کیوں کہ اللہ کا ہر حکم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی بجا لایا ہے، تو ان کا طریقہ ہمارے لئے اسوہ ہوگا۔ یہی سارے مقامات کا حاصل اور سارے مرتبوں کا خلاصہ ہے، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اللہ کو جہاں تک منظور تھا وہاں تک مجھے پہنچایا، ایسے ایسے مقامات سے گذرا کہ اس سلسلے کے بانی خواجہ بہاؤ الدین نقشبندیؒ کو بھی نیچے دیکھا، لیکن سب سے بلند اور قریب ترین مقام، عالی مرتبت سیر اور روحانیت کی بلندیوں پر پہنچنے کے بعد جو سبق ملا وہ پہلا سبق ہی تھا، یعنی اتباع سنت وشریعت؛ مجدد صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ سلوک میں سب سے آخری سبق بھی یہی ملا کہ شریعت وسنت کا اتباع کرو۔

اوراد ووظائف سے بھی بلند مقام اتباعِ شریعت کا ہے

اب سالکین اپنے معمولات اور اوراد ووظائف میں تو اہتمام سے لگے ہوئے ہیں، لیکن حلال وحرام میں وہ اہتمام نہیں، معاشرت میں، لوگوں کے ساتھ بود وباش میں، معاملات اور لین دین میں احکامِ شریعت کا کوئی اہتمام نہیں، یاد رکھئے! شیخ کے بتائے ہوئے اوراد وظائف کا معاملہ بعد میں ہے، وہ ہونا چاہیے اس میں برکت ہے، لیکن اصل چیز شریعت کا اتباع ہے۔ اس کی وجہ سے اگر معمولات شیخ کچھ متاثر ہوتے ہیں تو اس کو بھی گوارا کر لیا جا سکتا ہے، لیکن حلال وحرام میں، معاشرت میں، لوگوں کے ساتھ بود وباش میں، اور لین دین میں شریعت کی خلاف ورزی ناقابلِ قبول ہے، بل کہ مردودیت کا سبب ہے۔

اللہ کی ناراضگی سالک کو بے چین وبے قرار کر دے

ارشاد فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور نافرمانی سے ڈرتے رہنا چاہیے اس لیے کہ وہ ہمارے محبوب ہیں،

اُن کے روٹھنے اور ناراض ہونے سے ہمیں تکلیف ہونا چاہیے، دنیا کے محبوب روٹھتے ہیں تو زندگی بے مزہ ہوجاتی ہے، آدمی کو کھانا پینا اچھا نہیں لگتا، دوست اچھے نہیں لگتے، بیوی بچے اچھے نہیں لگتے، سب سے چڑ چڑاہٹ ہو جاتی ہے کیوں؟ اس کا کوئی محبوب ناراض ہے تو دنیا کے فانی عارضی محبوبوں کی ناراضگی اور بسا اوقات ناجائز اور حرام محبوبوں کی ناراضگی آدمی کو اتنا بے چین کرتی ہے تو یہ اس کی فطرت ہے، جب اللہ تعالیٰ کو محبوب بنائیں گے تو ان کی ناراضگی پر بھی ایسی ہی بے چینی ہوگی، بلکہ اس سے بڑھ کر ہوگی، تڑپ جائے گا کہ کیسے نافرمانی ہوگئی؟ خیر! اب ناراضگی ہوگئی تو معافی کا راستہ ڈھونڈو، راستہ کیا ہے؟ فَتَلَقّٰۤی اٰدَمُ مِنۡ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيۡهِ‌ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام دونوں کو معلوم ہوگیا تھا کہ اللہ ناراض ہے تو بہت روئے بہت منانا چاہا، کیسے منائیں یہ نہیں معلوم تھا تو اللہ نے سکھایا رَبَّنَا ظَلَمۡنَاۤ اَنۡفُسَنَا ۜوَاِنۡ لَّمۡ تَغۡفِرۡ لَنَا وَتَرۡحَمۡنَا لَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡخٰسِرِيۡنَ، اللہ تعالیٰ سے ایسے بولو پھر اللہ نے فرمایا فَتَابَ عَلَيۡهِ ٹھیک ہے، ہم نے معاف کردیا، پھر کبھی انہوں نے نافرمانی کی جرات نہیں کی، یہ بھی نافرمانی کے ارادے سے نہیں کیا تھا، لغزش سے ایسا ہوگیا، تو کوئی بھی آدمی لغزش کرسکتا ہے، انہی کی اولاد ہے، لغزش ہوسکتی ہے، اگر وہ بندہ نبی ہے تو اس لغزش کے امکان پر اللہ تعالیٰ اپنی حفاظت کا پہرہ لگادیتے تھے۔ اس کو اصطلاح میں ''عصمت'' کہتے ہیں یہ کسی کو نصیب نہیں یہ صرف نبیوں کو نصیب ہے، کوئی غیر نبی معصوم نہیں چاہے ولی ہو، قطب ہو، غوث ہو، ابدال ہو کوئی مرتبے کا ہو، لغزش کا امکان ہے۔ سلوک کیا ہے؟ سلوک یہ ہے کہ لغزشوں سے بچنے کی فکر ہو، فکر سے بہت حد تک کامیاب ہوجائے گا، کہیں کہیں ٹھوکر کھا جائے تو ایسے بے چین ہوجاؤ جیسے ہمارے ابا ہوئے تھے، اماں جان ہوئی تھیں، تو اللہ تعالیٰ وہ ادب القا فرمائے گا جس سے اس کو راضی کرلے، بس اللہ تعالیٰ سے تڑپ کے مانگ لے، فتاب علیہ ابا کو معاف کیا تھا، بیٹے کو بھی معاف کردے گا۔ سلوک کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ اس بات کا استحضار رہے کہ میرا مولا کہیں روٹھ نہ جائے، اس کا استحضار 24 گھنٹے رہنا چاہیے، ایسا آدمی محتاط ہوتا ہے، ایسا آدمی جری نہیں ہوتا کہ چلو کرلیں گے بعد میں دیکھیں گے، جہاں کھٹک ہوتی ہے رُکتا ہے، کیوں؟ اس لئے کہ اُسے ڈر لگا ہوا ہے کہ کہیں مولیٰ ناراض نہ ہوجائے، اس کے مولا کو کوئی بھی نہیں دیکھ رہا ہے نہ وہ دیکھ رہا ہے، لیکن اس کے من میں اس کا مولیٰ ہے، اس مولا سے زیادہ کوئی اس کو کوئی پیارا نہیں، لہذا اس کے روٹھنے کا خوف ہمیشہ بے چین رکھتا ہے۔

فقہ وفتاویٰ

آپ کے شرعی مسائل

از: مفتی محمد ندیم الدین قاسمی*

حالت جنابت میں قرآن کریم ٹائپ کرنا

سوال: حالت جنابت میں قرآن مجید کی آیات کو ٹائپ کرنا کیسا ہے؟

جواب: حالت جنابت میں قرآن شریف کو ٹائپ کرنا یا کمپوزنگ کرنا مکروہ ہے، اور جس کاغذ پر قرآن ٹائپ ہو کر نکلے، اسے نہ ہاتھ لگائے اور نہ زبانی پڑھے، اور قرآن کریم کی عظمت کا تقاضہ یہی ہے کہ کامل طہارت کے بعد ہی قرآن کریم ٹائپ کیا جائے۔ (کتاب المسائل: ۱/ ۱۸۳)

قرآن کریم کو آستین یا دامن سے چھونا

سوال: قرآن کریم کو دامن یا آستین کے واسطے سے چھونا کیسا ہے؟

جواب: اس طرح چھونا درست نہیں، اگر ضرورت ہو تو الگ کپڑے یا رومال کے ذریعہ اسے پکڑا جائے۔

(کتاب المسائل، ۱/ ۱۸۳)

پٹی کے نیچے آنے والے زائد حصہ کا حکم

سوال: اگر زخم ایسی جگہ واقع ہے کہ اس پر پٹی باندھنے میں زخم کے اصل حصہ کے علاوہ بدن کا کچھ اور حصہ بھی چھپ جاتا ہے تو کیا اس پر مسح کرنا جائز ہے؟

جواب: زخم کے اصل حصے اور زائد حصہ پر جہاں زخم نہ ہو اس پر بھی ضرورۃ مسح کرنا جائز ہے۔

(کتاب المسائل: ۱/ ۲۰۶)

جنازہ دیکھ کر کھڑا ہونا

سوال: جنازہ دیکھ کر کھڑا ہونا کیسا ہے؟

جواب: جولوگ کہیں بیٹھے ہوئے ہوں، اوران کاارادہ جنازہ کے ساتھ جانے کا نہ ہوتوانہیں جنازہ دیکھ کر کھڑانہیں ہوناچاہئے۔(کتاب المسائل:۲/ ۷۲)

نماز جنازہ میں ہاتھ کب چھوڑے جائیں

سوال: نماز جنازہ میں ہاتھ کب چھوڑنا چاہئے، سلام کے بعد یا پہلے؟

جواب: یہ مسئلہ اختلافی ہے، احسن الفتاوی میں متعدد جزئیات اور قاعدہ کلیہ سے ثابت کیا ہے کہ چوتھی تکبیر کہتے ہی ہاتھ چھوڑ کر سلام پھیر دیا جائے؛ لیکن اس مسئلہ میں زیادہ شدت نہیں کرنی چاہیے؛ اس لئے کہ سلام کے ساتھ یا سلام کے بعد ہاتھ چھوڑنے کے اقوال بھی فقہ میں موجود ہیں۔(کتاب المسائل:۲/ ۹۲)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کے بارے میں بحث کرنا

سوال: آج کل لوگ بار بار یہ پوچھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین، کافر تھے یا مسلمان؟ آپ اس مسئلہ میں رہنمائی فرمائیں۔

جواب: یہ مسئلہ بہت نازک اور حساس ہے، محققین نے اس میں گفتگو کرنے سے منع کیا ہے، امام سیوطی رحمہ اللہ نے تین رسائل اس مسئلہ پر لکھے ہیں، جن میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین شریفین کے ایمان کو ثابت کیا ہے، اگر کسی کو ان کی تحقیق پر اطمینان نہ ہو تب بھی خاموشی بہتر ہے۔(آپ کے مسائل اوران کاحل:۱/ ۷۲)

کیا ولایت پیدائشی ہوتی ہے؟

سوال: کیا ولایت پیدائشی ہوتی ہے یا محنت وغیرہ سے اس کا حاصل کرنا ممکن ہے؟

جواب: بعض ولی اللہ پیدائشی ہوتے ہیں اور بعض کو محنت وریاضت سے یہ مرتبہ حاصل ہوتا ہے۔

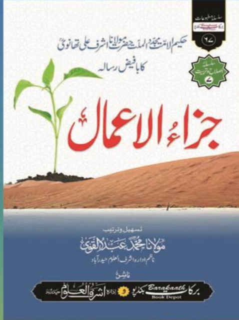
(آپ کے مسائل اوران کاحل،۱/ ۸۷)

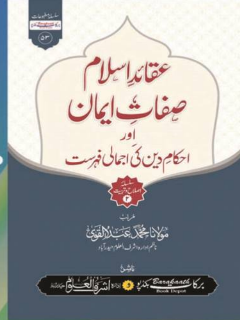
حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں کا سجدہ کرنا

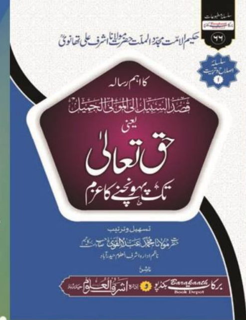
سوال: فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو کونسا سجدہ کیا تھا؟

جواب: اس میں دو قول ہیں: ایک یہ کہ یہ سجدہ بطور تعظیم تھا۔ دوم یہ کہ سجدہ تو اللہ تعالیٰ کو تھا اور آدم علیہ السلام کی حیثیت ان کے لیے ایسی تھی جیسے ہمارے لئے قبلہ شریف کی۔(آپ کے مسائل اوران کاحل:۱/ ۱۵۵)

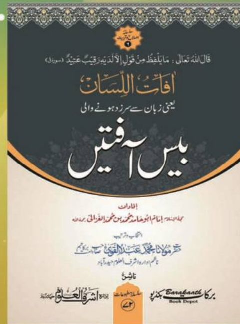
ASHRAFUL JARAID MONTHLY Rs20/-
RNI No: APURD/2007/24089 Postal. No: HSE/884/23-25
Date of Publication 3rd Jul-24, date of Posting 5th Jul-24

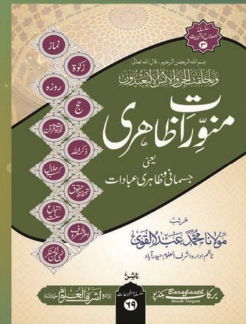


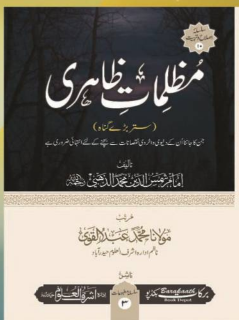


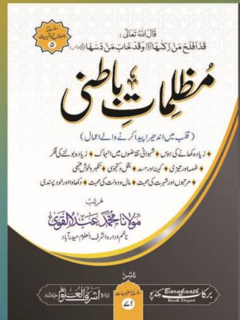


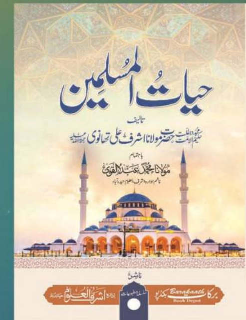












Printer, Publisher & Owner: Mohd Abdul Qavi, # 17-1-391/2, Khaja Bagh, Sayeedabad Colony, Hyderabad- 500059
Published from: # 17-1-391/2, Khaja Bagh, Sayeedabad Colony, Hyderabad- 500059
Editor : Mohammed Abdul Qavi. Printed at: Aish Offset Printers, Cellar Masjid-e-Meraj, Sayeedabad, Hyd-59